ولقد یسّرنا القرآن للذکر

آسان درسِ قرآن (جزء:۴)

(سورۂ عادیات، زلزال)

از

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ

(بمقام: مسجد انوار، نشاط سوسائٹی، اڈاجن پاٹیا، سورت)

ناشر

دارالحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ

سوداگرواڑہ، سورت، گجرات۔(الھند)

تفصیلات

کتاب کا نام:..........................آسان درس قرآن (جزء:۴)

افادات:............حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیۃ

تخریج :...عبدالاحد فلاحی

سن طباعت:.....................شعبان ۱۴۴۰ھ مطابق اپریل ۲۰۱۹ء

PUBLISHERS:

DARUL HAMD RESEARCH INSTITUTE

SODAGARWADA, SURAT

+91 9173103824

+91 9537860749

darulhamd2017@gmail.com

ملنے کا پتہ:

دارالحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سوداگرواڑہ، سورت۔

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ عادیات

(قسط-۱)

(مؤرخہ:۵/جمادی الاولیٰ،۱۴۴۰ھ-مطابق:۱۲/جنوری۲۰۱۹ء،شب یک شنبہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد! فأعوذبالله من الشيطٰن الرجيم۝ بسم الله الرحمٰن الرحيم۝

وَ الۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ﴿ۙ۱۰﴾ اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

وجہ تسمیہ:

یہ سورۂ عادیات ہے۔ چوں کہ اس کا پہلا کلمہ العادیات ہے، تو اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ عادیات رکھا گیا۔

قسم کیوں کھائی......؟؟؟

اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے، جن کو اہل عرب جنگ میں لڑائی کے وقت دشمنوں کے مقابلے میں استعمال کرتے تھے، ان پر سواری کرتے تھے۔ تو ان گھوڑوں کی کچھ خوبیاں اور صفات بیان کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا ناشکرا ہے۔ سورۂ عصر کی تفسیر کے موقع پر بتلایا تھا کہ سورۂ عصر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمانہ کی قسم کھائی ہے، تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں جو قسمیں کھاتے ہیں اس کا مقصد کسی کو اپنی بات کا یقین دلانا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو سب سے سچے ہیں وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔ (النساء:۱۲۲) بلکہ قرآن پاک میں جو قسمیں کھائی گئی ہیں، وہ دراصل بعد والے مضمون کی صداقت کے لیے کھائی جاتی ہیں۔ لہٰذا جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے ان پر غور کریں گے اور ان کے حالات کو سوچیں گے تو اس کے بعد جو مضمون بیان کیا گیا ہے اس کی صداقت کا آپ کو یقین ہو جائے گا۔ تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کلام کو مؤکد کرنے کے لیے قسمیں کھا رہے ہیں۔

انسان ناشکرا ہے:

یہاں گھوڑوں کی قسمیں کھائی ہیں۔ دراصل انسان اللہ کا ناشکرا ہے، وہ ناشکرا کیسے

ہے؟ تو جب گھوڑوں کے حالات میں غور کریں گے تو آپ کو انسان کے ناشکرا ہونے کا پتا چلے گا۔ ایک طرف آپ گھوڑوں کے حالات کو دیکھو، اور دوسری طرف انسان کے حالات پر غور کرو کہ یہ گھوڑا اپنے مالک کا کیسا وفادار ہے؟ اور دوسری طرف انسان اپنے اللہ کا کیسا ناشکرا ہے؟ تو آپ کو خود اس مضمون کی صداقت کا پتا چل جائے گا۔ اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک تو انسان کے ناشکرا ہونے کو بتلایا ہے اور اس کے لیے گھوڑوں کی قسم کھائی گئی ہے۔

گھوڑا اور اہل عرب:

گھوڑا ایک جانور ہے، اہل عرب کو اس کے ساتھ بڑی مناسبت تھی، اور وہ گھوڑوں کو بڑے اہتمام اور بڑی توجہ کے ساتھ پالا کرتے تھے۔ اور جیسے وہ اپنے نسب ناموں کو دور دور تک محفوظ رکھتے تھے ایسے گھوڑوں کے نسب بھی ان کے یہاں محفوظ رکھے جاتے تھے۔ اور گھوڑوں کے ساتھ ان کا ایک خصوصی ربط اور تعلق تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی زندگی قبائلی تھی، اور قبائلی زندگی میں عام طور پر آپس میں عداوتیں، دشمنیاں ہوا کرتی ہیں، اور ہر ایک موقع بہ موقع اپنے دشمن پر حملہ بھی کر دیتا ہے، اور اس سے انتقام لیتا ہے، اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ گھوڑا ایک ایسا جانور ہے کہ وہ جنگ کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے تو اسی لیے یہاں اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی ان خوبیوں کو بیان کیا ہے جس کو وہ اپنے کام میں لاتے ہوئے استعمال کرتے تھے۔

گھوڑا طاقت کی علامت:

اور دوسری بات یہ ہے کہ گھوڑا طاقت کی ایک علامت سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

گھوڑا ایک ایسا قدآور اور عظیم الجثہ جانور بنایا ہے جس کی ہیئت بھی اونچی ہے، اور اس میں طاقت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ چناں چہ اِس زمانے میں بھی اگر کسی انجن کی طاقت کو بتلانا ہو تو کہا جاتا ہے کہ یہ انجن اتنے ہورس پاور (HORSE POWER) کا ہے، تو اس سے گھوڑے کی طاقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گھوڑا گویا طاقت کی ایک علامت قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان ہی گھوڑوں کے حالات کو اس سورت میں بیان کیا ہے۔

بغیر معاوضے کے فائدہ:

ایک تو اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنا احسان بتلایا ہے کہ دیکھو! ایسے طاقتور، قوی الہیکل، قوی الجثہ جانور کو ہم نے آپ کے تابع اور غلام بنادیا، آپ کے لیے مسخر کردیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی تمام چیزوں کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے، یعنی انسان اپنے مفاد کے لیے اس کو جس طرح چاہے استعمال کرے: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان:۲۰) (آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو تمہارے لیے مسخر کردیا، اس کو تمہارے تابع کردیا) مسخر کا مطلب یہ ہے کہ تم جس طرح چاہو ان سے فائدہ اٹھاؤ، خدمت لو، آپ کو اس کا کوئی معاوضہ ادا نہیں کرنا ہے۔ اس کو اردو میں بے گاری کہا جاتا ہے۔

پہلے زمانے میں ظالم قسم کے حکمران کو جب کوئی کام کروانا ہوتا، جیسے کوئی تعمیری کام ہورہا ہے، تو کسی جانے والے مزدور سے کہتے: چل اس کام میں لگ جا۔ شام تک کام لیا، پھر کہتا کہ چل! چلا جا یہاں سے! نہ پیسہ دینا ہے، نہ کھانا دینا ہے، کچھ نہیں۔ اس سے فائدہ اٹھایا اور کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا گیا، مفت میں کام لیا، اس کو بے گاری کہا جاتا ہے۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی تمام چیزوں کو انسان کا ایسا تابع بنا دیا ہے کہ انسان گویا بغیر کسی معاوضے کے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ہم سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، زمین سے فائدہ اٹھاتے ہیں، پانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔اس کا کوئی معاوضہ ادانہیں کرنا پڑتا۔ اگر ہمیں سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھانے کا معاوضہ ادا کرنا پڑے، لائٹ کا بل تو ہم سے بھرا نہیں جاتا!!! سورج کا بل ہم کہاں بھریں گے؟

تسخیر کا اثر:

اور سواری کے لیے جتنے جانور پیدا کیے ہیں جیسے: گھوڑا، گدھا، اونٹ وغیرہ۔ ان جانوروں کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے تابع بنا دیا ہے۔ اسی لیے انسان کو سواری کے وقت کی دعا سکھلائی گئی ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. (الزخرف:۱۳، ۱۴) (پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور کو ہمارے تابع بنا دیا؛ ورنہ ہم میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ ہم اس کو قابو میں کر سکتے، اور ہم اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں)۔

اللہ نے اس کی طبیعت میں انسان کی اطاعت اور فرماں برداری کا ایسا مزاج بھر دیا کہ وہ انسان کی پورے پوری فرماں برداری کرتا ہے۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس کے منہ میں لگام ڈال کر سوار ہو کر جہاں لے جانا چاہے لے جا سکتا ہے۔ گھوڑا مڑ کر کبھی یہ سوال نہیں کرتا کہ میں تو تجھ سے بڑا طاقتور ہوں، قوی ہیکل ہوں، میں بھلا تیری کیا خدمت کروں؟ تو میری خدمت کر!!! لیکن آج تک کبھی گھوڑے نے یا کسی اور جانور نے جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی سواری کے لیے پیدا فرمایا ہے انسان سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ یہ اسی تسخیر اور

تابع بنانے کا اثر ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں انسان کے تابع ہونے کا رکھا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کا یہ اتنا بڑا احسان کہ ایسے قدآور، قوی الجثہ اور طاقتور جانوروں کو انسان کے تابع بنایا۔ ورنہ گھوڑے کے سامنے انسان کی کیا حیثیت ہے؟ اگر وہ مقابلے پر آجائے تو انسان اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا؛ بلکہ وہ انسان کو چٹکیوں میں ختم کر سکتا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے ان سارے جانوروں کو زیر کر دیا ہے۔

ہاتھی جیسا قوی الجثہ جانور؛ لیکن آپ فیل بان (મહાવત) کو دیکھیں گے کہ وہ اس کو ایسا بنائے ہوئے ہے کہ وہ جس طرف چاہے اس کو لے جاتا ہے؛ ورنہ اس ہاتھی کے سامنے انسان کی کیا حیثیت؟ مگر دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تسخیر کی گئی ہے اسی کا اثر ہے۔

ایک تو اللہ نے اتنا بڑا انعام دیا۔

گھوڑے کی وفاداری:

اور دوسرا یہ ہے کہ گھوڑے کو اتنا مسخر کرنے کے بعد اس کو انسان کا اتنا وفادار بنایا کہ آدمی سوچ نہیں سکتا۔ جب یہ گھوڑا لڑائی کے میدان میں جاتا ہے تو وہ اپنے سوار کا پورا مطیع وفرماں بردار ہو جاتا ہے۔ سوار کے لیے اپنی جان بھی دینے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ بڑے بڑے لشکر جو اپنے ہاتھ میں تلواریں اور اپنے کاندھوں پر نیزے لیے ہوئے ہیں، اور لشکروں کا بڑا بڑا مجمع ہے تو بھی یہ گھوڑا اپنے مالک کو لے کر اس میں گھس جاتا ہے۔ اور ان لشکر والوں کے ساتھ دشمنی مول لیتا ہے؛ حالاں کہ فریقِ مخالف کے ساتھ گھوڑے کو تو کیا دشمنی ہے؟ وہ گھوڑے کے دشمن نہیں ہیں؛ بلکہ اس کے مالک کے دشمن ہیں، تاہم وہ مالک کے دشمن کے ساتھ اپنے دشمن جیسا سلوک اور برتاؤ کرتا ہے۔ اور اس کے لیے ہر جگہ اپنے

مالک کی وفاداری کرتا ہے، اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالتا ہے۔ حالاں کہ مالک نے اس کے لیے کیا کیا ہے؟ بس! وقت پر اس کو چارہ دیتا ہے، اور پانی دیتا ہے۔ اور تو کیا کیا؟ اس چارے کو تو مالک نے پیدا نہیں کیا، اس پانی کو مالک نے تو پیدا نہیں کیا۔ بس وہ تو اس کی کچھ ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو وفاداری کا اتنا بڑا وصف عطا فرمایا کہ وہ وقت آنے پر مالک کے لیے جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے، اور اپنی جان قربان بھی کر دیتا ہے۔ یہ گھوڑے کی ایک خصوصیت ہے۔

انسان کی بے وفائی:

اس کے مقابلے میں انسان کو اللہ تعالیٰ نے ساری نعمتوں سے ڈھانپ دیا، روزی اللہ دیتے ہیں، اور ساری نعمتیں اللہ نے دیں، وہ اللہ کی ساری نعمتوں کو استعمال کرتا ہے۔ لیکن ایک گھوڑا اپنے مالک کے ساتھ جس طرح وفاداری سے پیش آتا ہے، اس کے لیے اپنی جان تک کو جوکھوں میں ڈالتا ہے، قربان کر دیتا ہے۔ اور انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسا بے وفائی کا معاملہ کرتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ قسم کھا کر کہا کہ انسان اللہ کا بڑا ناشکرا ہے۔ گویا ایک انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اور گھوڑے کے حالات کو سوچے اور موازنہ کرے کہ گھوڑا ایک جانور ہے، جو غیر ذوی العقول ہے۔ اس کے باوجود اس کا مالک ذرا سی اس کی ضروریات کا انتظام کرتا ہے، تو وہ اس کا کتنا وفادار ہو جاتا ہے!!! اور اس کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔

اور ایک انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذوی العقول اور اشرف المخلوقات بنایا، تمام جانداروں میں باعزت بنایا اور ساری نعمتوں سے نوازا، ساری کائنات کو اس کے لیے

مسخر کیا، اور اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتیں پوری کررہے ہیں، اور وہ اللہ کی ساری نعمتوں کو استعمال کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، عیش وآرام کرتا ہے؛ لیکن کبھی بھولے سے یہ یاد نہیں آتا کہ میں اپنے مالک، پیدا کرنے والے اللہ کا اتنا بھی حق ادا کرتا ہوں جتنا یہ گھوڑا میرا حق ادا کرتا ہے؟ اور کیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتنا وفاداری سے پیش آتا ہوں جتنا یہ گھوڑا میرے ساتھ وفاداری سے پیش آتا ہے؟ کیا میں اللہ کے لیے اتنی بھی قربانی دیتا ہوں جتنی یہ گھوڑا میرے لیے دیتا ہے؟ دشمنوں کے جمگھٹے میں گھس جاتا ہے، اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کے ان حالات کو بیان کرکے، ان کی قسم کھا کر کے آگے فرمایا: اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے)۔ تو گویا جو مضمون اللہ تعالیٰ آگے بیان فرمارہے ہیں اس کی صداقت کا آپ کو یقین ہو جائے گا؛ اگر آپ گھوڑوں کے ان حالات میں غور کریں گے تو آپ کو اس کا اندازہ ہو جائے گا۔

ترجمہ:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا (قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپ ہانپ کر دوڑتے ہیں)

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا (پھر وہ گھوڑے جو اپنی ٹاپوں سے چنگاریاں اڑاتے ہیں)

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا (جو صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں)

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا (پھر اس موقع پر غبار اڑاتے ہیں)

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا (پھر اسی وقت دشمن کے لشکر کے کسی جمگھٹے کے بیچوں بیچ جا گھستے ہیں)

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ (بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے)

تفسیر:

گھوڑا جب دوڑتا ہے تو اس کے اندر سے ہانپنے کی آواز آتی ہے۔ اور انسان اس کو جتنا تیز دوڑانا چاہے وہ اتنا تیز دوڑتا ہے، کبھی وہ انکار نہیں کرتا۔ چاہے کتنا وقت گذر گیا ہو؛ لیکن اس کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ مشقت اٹھا کر اپنے مالک کا حکم بجالاتا ہے، پورا کرتا ہے۔

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا عربی میں اوریٰ - یوری: پتھر کو پتھر سے رگڑ کر آگ نکالنے کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ گھوڑے جب پتھریلی زمین پر دوڑتے ہیں تو ان کے پاؤں جب پتھریلی زمین پر پڑتے ہیں، اور ان کے پاؤں میں نعل لگا ہوا ہوتا ہے تو اس کے ٹکرانے کی وجہ سے پتھر میں سے چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں، اسی کو کہتے ہیں کہ پھر جو اپنی ٹاپوں سے چنگاریاں اڑاتے ہیں۔

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا. عرب لوگ چوں کہ عام طور پر صبح کے وقت جو غفلت کا وقت ہوتا تھا تب یہ لوگ اپنے دشمن پر حملہ کرتے تھے، تو اسی کو کہا: فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا، دشمن پر چڑھ بیٹھتے ہیں، حملہ کرتے ہیں۔ یہ بھی اپنے آقا ہی کے حکم سے ہے، اس میں اس گھوڑے کا اپنا تو کوئی مفاد وابستہ نہیں ہے، آقا کہتا ہے تو آقا کا حکم مان کر اس کے ساتھ وفاداری کرتے ہوئے یہ دشمنوں کے مقابلے پر آجاتا ہے اور ان پر حملہ کرتا ہے۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا. یعنی صبح کے وقت جب وہ دوڑتے ہیں تو غبار اڑاتے ہیں۔ حالاں کہ صبح کے وقت رات کی ٹھنڈک کی وجہ سے غبار بیٹھا ہوا ہوتا ہے؛ لیکن یہ گھوڑے اتنی قوت کے ساتھ دوڑتے ہیں کہ اس سے غبار اڑتا ہے، اور جب ساتھ دوڑتے ہیں تو فضا ایسی اندھیری

ہوجاتی ہے کہ دن میں بھی رات کا سماں ہوجاتا ہے۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا۔ اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے۔ حالاں کہ دیکھ رہے ہیں کہ دشمن کے ہاتھ میں تلوار ہے، نیزے ہیں، وہ ان تلواروں اور نیزوں سے ہمیں ختم کرے گا؛ لیکن اس کو اپنی جان کی پرواہ نہیں ہے، اپنے مالک کی وفاداری میں، اس کی حفاظت میں، اس کی خدمت میں، اس کے حکم کو ماننے میں، اس کی اطاعت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوجاتا ہے۔ گھوڑوں کی یہ ساری خوبیاں بیان کر کے اللہ تعالیٰ آگے اس بات کو پیش کرتے ہیں:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ۔ یعنی آپ ایک طرف گھوڑوں کے حالات پر غور کیجیے، اور دوسری طرف انسان کے حالات کا مطالعہ کر کے غور کریں، دونوں کا موازنہ اور مقابلہ کریں، ایک دوسرے کی (تلنا) کریں تو آپ کو پتا چلے گا کہ گھوڑا باوجود ایک جانور اور بغیر عقل کا ہونے کے اپنے مالک کے ساتھ جو اطاعت اور فرماں برداری کا معاملہ کرتا ہے، وہ انسان اپنے رب کے ساتھ نہیں کرتا۔ حالاں کہ مالک نے گھوڑے کو صرف چارہ دیا تھا، اور پانی کا انتظام کیا تھا اور کچھ نہیں کیا۔ اور انسان کو تو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا ہے، پیدا کیا اور اس پر ساری نعمتیں بارش کی طرح برسائیں، اور وہ اللہ کی ساری نعمتوں کو بے دریغ استعمال کرتا ہے اس کے باوجود وہ اتنی بھی وفاداری کا معاملہ نہیں کرتا جتنی گھوڑا اپنے آقا اور مالک کے ساتھ کرتا ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ انسان ناشکرا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ انسانیت کے اکثر افراد ناشکرے ہیں۔ اکثر کے اعتبار سے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ فرمایا گیا ہے۔ ورنہ ان ہی انسانوں میں بعض اللہ کے بندے انبیاء، اولیاء اور اللہ کے مقبول بندے اللہ کے ایسے شکر

گزار ہیں کہ جس کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ لیکن ایسے شکر گزاروں کے مقابلے میں وہ لوگ جو ناشکری کرتے ہیں زیادہ ہیں۔ تو گویا مجموعی اعتبار سے دیکھا جائے تو انسان اللہ تعالیٰ کا ناشکرا ہے۔

اب انسان اللہ کا ناشکرا کیسے ہے؟ تو شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے اس کی تین شکلیں بتلائی ہیں، اس کو آئندہ بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ عادیات

(قسط-۲)

(مؤرخہ:۱۲/جمادی الاولیٰ، ۱۴۴۰ھ-مطابق:۱۹/جنوری ۲۰۱۹ء، شب یک شنبہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى اٰله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد! فأعوذبالله من الشيطٰن الرجيم۝ بسم الله الرحمٰن الرحيم۝

وَ الۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

گذشتہ سے پیوستہ:

سورۂ عادیات کی تشریح کا سلسلہ چل رہا تھا، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھائی ہے۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا (قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپ ہانپ کر دوڑتے ہیں)

فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا (پھر وہ گھوڑے جو اپنی ٹاپوں سے چنگاریاں اڑاتے ہیں)

فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا (جو صبح کے وقت یلغار کرتے ہیں)

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا (پھر اس موقع پر غبار اڑاتے ہیں)

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا (پھر اسی وقت دشمن کے لشکر کے کسی جمگھٹے کے بیچوں بیچ جا گھستے ہیں)

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے)

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ (اور وہ خود اس بات کا گواہ ہے)

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ (اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت پکا ہے)

اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ (بھلا، کیا اس کو وہ وقت معلوم نہیں کہ قبروں میں جو کچھ ہے وہ باہر بکھیر دیا جائے گا)

وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ (اور سینوں میں جو کچھ ہے اسے ظاہر کر دیا جائے گا)

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّخَبِیْرٌ (یقیناً ان کا پروردگار اس دن ان کی حالت سے پوری طرح واقف ہے)

خلاصۂ مضمون:

اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھا کر دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں: (۱) اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے)۔ (۲) وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت پکا ہے)۔ اخیر میں اس کو نصیحت فرمائی کہ انسان کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ قبر میں جتنے بھی مردے ہیں وہ ایک دن باہر نکال کر پھینک دیے جائیں گے، ان کو اللہ تعالیٰ زندہ کریں گے۔ اور لوگوں کے دلوں میں جو راز چھپے ہوئے ہیں وہ باہر آجائیں گے۔ آج کل تو حال یہ ہے کہ آدمی چوبیس گھنٹے ساتھ رہتا ہے؛ لیکن اپنے ساتھی کے دل میں کیا راز ہے؟ وہ اس کو معلوم نہیں۔ لیکن اُس وقت لوگوں کو پتا چل جائے گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی ایک ایک بات سے پوری طرح واقف تھے۔ یعنی اُس وقت لوگ اس بات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ یہ سورت کے اس مضمون کا خلاصہ ہے۔

تم کتنی فرماں برداری کرتے ہو......؟؟؟

گذشتہ مجلس میں بتلایا تھا کہ گھوڑے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کا وفادار ہے۔ مالک اس کی تھوڑی سی خدمت کرتا ہے، اس کے، دانا، چارہ، پانی کا انتظام کرتا ہے، اور محض اتنی بات پر وہ مالک کا وفادار بن جاتا ہے، حالاں کہ مالک نے اس کو پیدا کیا، نہ اس کو اعضاء دیے، اور دانا پانی بھی اللہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں اسی سے حاصل کر کے اس گھوڑے کے لیے انتظام کرتا ہے؛ لیکن گھوڑا اپنے مالک کے اس احسان کا

بدلہ ایسی وفاداری کی شکل میں دیتا ہے کہ وہ دشمنوں کے جمگھٹے میں، دشمنوں کے لشکر میں- جو اپنے ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے ہیں، کندھوں پر نیزہ لگائے ہوئے ہیں- گھس جاتا ہے، اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا، اپنے مالک کے لیے اپنی جان تک کو وہ جوکھوں میں ڈال دیتا ہے، اور قربان کر دیتا ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے گھوڑوں کی وفاداری کو ان قسموں کی شکل میں بیان کیا ہے کہ یہ گھوڑے جن کو تم اپنے دشمنوں کے مقابلے میں استعمال کرتے ہو، ذرا دیکھو تو سہی! اللہ تعالیٰ نے ان کو بنا کر تمہارے تابع کیا ہے، تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے، وہ تمہاری اتنی وفاداری کے ساتھ خدمت کرتے ہیں، اس کے مقابلے میں تم اپنا حال بھی دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان نعمتوں کے بدلے میں تم اللہ تعالیٰ کی کتنی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہو؟

روانت دادو طبع و عقل وادراک:

انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے: اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا، جسم عطا فرمایا، جسم کے قویٰ عطا فرمائے، دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں، سننے کے لیے کان دیے، بولنے کے لیے زبان عطا فرمائی، اور اپنے کاموں کو انجام دینے کے لیے ہاتھ دیے، چلنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے پاؤں عطا فرمائے، سوچنے کے لیے دل ودماغ عطا فرمایا، اور وہ ہر وقت اللہ کی بے شمار نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے، اللہ کی ان نعمتوں کو ہر وقت برابر استعمال کرتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود انسان کا کیا حال ہے؟ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۔ (انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے)۔

شرک؛ بڑی ناشکری:

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلویؒ نے ناشکری کی تین شکلیں بیان کی ہیں۔[۱] اس میں سب سے بڑی ناشکری وہ ہے جو مشرکین کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناشکری ہے۔ کیسے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری نعمتیں عطا فرمائیں، پیدا کرنے والا، اللہ۔ جسم دینے والا، اللہ۔ سارے قویٰ عطا کرنے والا، اللہ۔ اور ہر وقت، ہر گھڑی اپنی ضرورتوں کے لیے آدمی جن چیزوں کو استعمال کر رہا ہے وہ ساری نعمتیں دینے والا، اللہ۔ اور اس کے باوجود اللہ کی دی ہوئی ان نعمتوں کو انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اللہ کے علاوہ دوسروں کی طرف نسبت کرتا ہے۔ مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان، سورج وچاند کو تو پیدا کیا ہے؛ لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ-نعوذ باللہ-اب معطل ہو کر بیٹھ گئے ہیں، دوسرے کام جیسے اولاد دینا، روزی دینا، بیماری سے تندرستی دینا اور انسانوں کی حاجت روائی، مشکل کشائی وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری چیزوں کے حوالے کر دی ہے۔ جن بتوں کی وہ پوجا کیا کرتے تھے، (لات، عزیٰ، منات) جو انہوں نے اپنے دل سے، دماغ سے گھڑے ہیں اور ان کی جو حاجتیں پوری ہو رہی ہیں، ان کو ان ہی بتوں کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ وہ اولاد وہ دیتے ہیں، روزی وہ دیتے ہیں، بیماری سے تندرستی دیتے ہیں، مشکل کشائی کرتے ہیں۔ تو یہ شرک ایک بہت بڑی ناشکری ہے، جس کا مشرکین ارتکاب کر رہے ہیں۔

---

(۱) تفسیر عزیزی ص:۶۲۱-۶۲۲ (ط: کتب خانۂ فیضِ ابرار، انکلیشور، گجرات)۔

کفر بمعنیٰ ناشکری:

قرآن کریم میں اُن کے اِسی شرکیہ عمل کو کفر سے تعبیر کیا گیا۔ اس لیے کہ کفر عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ ''ناشکری'' ہوتا ہے۔ اور یہ شرک ایسی بڑی ناشکری ہے کہ جس کی اللہ کے ہاں معافی نہیں ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء:۴۸) تو عربی زبان میں ناشکری کے لیے کفر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کافر یعنی اللہ کی ناشکری کرنے والا۔ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کی جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو عطا فرمائی ہیں اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف نسبت کر کے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی ناشکری کا ارتکاب کر رہے تھے، اس لیے ان کو قرآن میں کافر کہا گیا۔ ایک اور جگہ قرآن میں کفر کا لفظ ناشکری کے معنیٰ میں آیا ہے: لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ. (ابراھیم:۷) (اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہاری نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو میری پکڑ، میری گرفت، میرا عذاب بڑا سخت ہے) دیکھو! یہاں کفرتم کا معنیٰ ناشکری کا ہے۔

حدیث پاک میں بھی کفر کا لفظ ناشکری کے معنیٰ میں آیا ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے نبیٔ کریم ﷺ نے عورتوں کے متعلق ارشاد فرمایا: أُريت النار فإذا أكثر أهلها النساء يكفرن ، قيل: أيكفرن بالله ؟ قال: يكفرن العشير ويكفرن الإحسان لو أحسنت إلى إحداهن الدهر ثم رأت منك شيئاً قالت : ما رأيت منك خيراً قطّ.

(مجھے جہنم کا نظارہ کرایا گیا تو اس میں بڑی تعداد عورتوں کی تھی۔ وہ کفر کرتی ہیں۔ تو صحابہؓ نے پوچھا: يكفرن بالله؟ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں؟ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان کی ناشکری کرتی ہیں۔ ان کے ساتھ اگر تم زندگی بھر احسان

کرو، اور جب کبھی کوئی ناگوار بات پیش آئے گی تو وہ یہی کہے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی) [۱] تو دیکھو! حدیث پاک میں بھی نبی کریم نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی ناشکری کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔

......پھر بغاوت پر اتر آتے ہیں:

تو کافر سب سے بڑی ناشکری کا مرتکب ہے اسی لیے قرآن پاک میں اس کو یہ لقب دیا گیا۔ یہ مشرکین اللہ کی ان نعمتوں کو استعمال کر کے ان کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کے بجائے دوسروں کی طرف کرتے ہیں، دوسروں کو نعمت دینے والا، مشکل کشا اور داتا مانتے ہیں، اس لیے ان کو کافر سے تعبیر کیا گیا۔ بلکہ ان کا حال تو یہ ہے کہ جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں۔ جب وہ کشتی میں سفر کرتے ہیں، اور وہ کشتی طوفان میں پھنس جاتی ہے، آگے پیچھے پہاڑوں جیسی موجیں کشتی سے ٹکراتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی اب ڈوبی، تب ڈوبی تو اس موقع پر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کو یاد نہیں کرتے۔ بلکہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اگر ہم بچ گئے تو آئندہ تیری ہی عبادت کریں گے۔ قرآن پاک میں سورۂ یونس میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ (یونس:۲۲) (اللہ ہی کی

---

(۱) موطأ مالک: ۶۴۰/ ۱۹۹ و مصنف عبدالرزاق: ۴۹۲۵ ومسند أحمد: ۲۷۱۱، ۳۳۷۴ و صحیح البخاري: ۲۹، ۱۰۵۲، ۵۱۹۷ وصحیح مسلم: ۱۷ [۹۰۷] وسنن النسائي: ۱۴۹۳ وغیرها.

ذات ہے جو تم کو سیر کراتی ہے خشکی میں بھی اور سمندر میں بھی، یہاں تک کہ جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو، اور وہ کشتی تمہیں لے کر چلتی ہے، بہت عمدہ ہوا میں، اطمینان کے ساتھ، مرضی کے مطابق۔ اور تم بھی اپنے اس سفر کی وجہ سے خوش وخرم ہوتے ہو۔ اور اچانک تیز وتند ہوا آجاتی ہے، اور سمندر کی موجیں کشتی کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں، ان کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ اب تو ہم مارے گئے، موت آگئی، تو دین کو خالص کرتے ہوئے یعنی کسی اور کی شرکت کیے بغیر اللہ ہی سے دعا کرتے ہیں، اللہ کو پکارتے ہیں، اور اللہ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دی تو ہم شکر گزار بندوں میں سے ہوجائیں گے)

باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ (یونس:۲۳) (جب اللہ تعالیٰ ان کو اس مصیبت سے نجات دیتے ہیں، اور وہ صحیح سلامت کنارے پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر بغاوت پر اتر آتے ہیں) گویا ان کا مزاج بن گیا کہ مصیبت آتی ہے تو اللہ کو پکارتے ہیں، وعدہ بھی کرتے ہیں۔

عکرمہ بن ابوجہل کا واقعہ:

سیرت میں واقعہ ہے، فتح مکہ کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں داخل ہو رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کے لیے عام امن وامان کا اعلان فرمایا تھا۔ البتہ کچھ مجرم ایسے تھے کہ جن کے لیے معافی اور امان نہیں تھا۔ ان میں ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ بھی تھے۔ چوں کہ وہ بھی اپنے باپ کی طرح سخت دشمن تھے۔ ان کے لیے بھی یہی اعلان کیا گیا تھا کہ ان کو امان نہیں ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ داخل ہو چکے تو انہوں نے دیکھا کہ

اب تو ہمارے لیے قتل کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں ہے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ یمن چلے گئے اور یمن سے کشتی میں بیٹھ کر حبشہ جانے کا ارادہ کیا۔ چناں چہ کشتی میں سوار ہوئے، کشتی ابھی تو کنارے سے تھوڑی ہی دور پہنچی تھی کہ موجوں نے آ کر گھیر لیا، کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ وہ لات اور عزیٰ کو پکارنے لگے تو کشتی والوں نے کہا کہ یہاں لات وعزیٰ تمہاری مدد نہیں کریں گے، ایک اللہ کو پکارو۔ انہوں نے کہا کہ ایک اللہ یہاں نجات دے سکتا ہے تو خشکی میں بھی وہی نجات دینے والا ہے۔تو دعا کی کہ یا اللہ! اگر مجھے یہاں سے صحیح سلامت نکال دیا تو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دوں گا اور ان کو بڑا شریف اور معاف کرنے والا پاؤں گا۔

چناں چہ جب طوفان ختم ہوا اور دوبارہ صحیح سلامت کنارے پر پہنچے تو ادھر ان کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام -یہ ان کی چچا زاد بہن ہی ہوتی ہیں، حارث بن ہشام ابوجہل کے بھائی ہیں، اور وہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے تھے- نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر اپنے شوہر کے لیے امان حاصل کر لیا۔ اور وہ ان کی تلاش میں یہاں پہنچیں، ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کے لیے امان حاصل کر لیا ہے اس لیے تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چلو۔ ان سے زیادہ شفیق اور مہربان کسی اور کو نہیں پاؤ گے۔ چناں چہ وہ ان کے ساتھ پہنچے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے والے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ عکرمہ مطیع وفرماں بردار ہو کر آ رہے ہیں، ان کے باپ ابوجہل کو برا بھلا مت کہنا؛ کیوں کہ مُردوں کو برا بھلا کہنے سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ اخلاق ہم لوگوں کو سکھائے۔ ابوجہل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت جانی دشمن تھا، جس کو اس امت کا فرعون کہا گیا

ہے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو بھی برا بھلا کہنے سے اس لیے روک رہے ہیں کہ اس کی وجہ سے دوسروں کو تکلیف نہ ہو۔ آج ہمیں اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

بہر حال! جب وہاں پہنچے تو ان کی بیوی پردے میں، برقع میں تھیں، انہوں نے جا کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اس نے مجھے بتلایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے امان دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس نے سچ کہا، تمہیں امن ہے، چناں چہ آپ اسی وقت ایمان لے آئے۔[۱] تو میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ مشرکین عرب کا ایک عام مزاج تھا کہ کشتی میں پھنستے تھے تو اللہ کو پکارتے تھے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شرک ہی میں مبتلا ہیں، جن کو ایمان کی سعادت حاصل نہیں ہوئی وہ اس وقت تو اللہ تعالیٰ سے یہی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا حال درست کرلیں گے؛ لیکن جب نجات مل جاتی ہے تو پھر اپنی بغاوت پر اتر آتے ہیں۔

......کبھی اس نے ہم کو پکارا ہی نہیں:

ایک اور موقع پر اسی سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا(یونس:۱۲) (انسان کو جب تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے لیٹے لیٹے بھی، بیٹھے بیٹھے بھی، کھڑے کھڑے بھی) فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ. (یونس:۱۲) (پھر جب ہم اس کی تکلیف کو دور کرتے ہیں تو وہ ایسا نکل جاتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی اس نے ہم کو پکارا ہی نہیں) یہ انسان کا مزاج ہے۔ تو بہر

---

(۱) مغازي الواقدي: ۲/ ۸۵۱ (ط: دار الأعلمي، بيروت) و مصنف ابن أبي شيبة: ۳/ ۳۶۹ (ط: مكتبة الرشد، الرياض) و سنن أبي داود: ۲۶۸۳ و السنن الكبرىٰ للنسائي: ۳۵۱۶ (ط: مؤسسة الرسالة، بيروت) و تاريخ دمشق لابن عساكر: ۴۱/ ۵۹ [۸۲۰۵] وتهذيب الأسماء واللغات للنووي: ۱/ ۳۳۹ (ط: دار الكتب العلمية، بيروت).

حال مشرکین عرب کا حال بھی یہی تھا کہ ساری نعمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کے بجائے بتوں کی طرف کیا کرتے تھے، اور اس کے بعد جہاں عبادت کا مرحلہ آتا تو عبادت بھی ان ہی بتوں کی کرتے تھے ۔ حالاں کہ اصل منعم حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے یہ نعمتیں عطا فرمائیں، اس کی نعمتوں کا شکریہ ہے کہ ہم اسی کی اطاعت وفرماں برداری کریں، اسی کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شرک نہ ٹھہرائیں۔

بہر حال! یہ مشرکین جو سب سے بڑی ناشکری کے مرتکب تھے وہ یہی شرک تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرک کی سب سے بڑی ناشکری ہے۔[۱] اور اسی کے نتیجے میں وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ بہر حال! انسان کو جو ناشکرا کہا اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ نعمتوں کی نسبت دوسروں کی طرف کرتا ہے، اور ان نعمتوں کی وجہ سے اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کے بجائے بتوں کی عبادت کرتا ہے اور ان کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔ یہ تو مشرکین کا حال بیان کیا گیا۔

مشرک مسلمان:

لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آج کا مسلمان جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، جس نے لا إله إلا الله پڑھا، اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا، اس کے باوجود وہ محبت اور عقیدت کے نام پر اُن تمام چیزوں کی نسبت اللہ کے بندوں کی طرف کرتے ہیں ۔ ویسے اللہ کے نیک بندوں سے، اہل اللہ و اولیاء اللہ سے، انبیاء سے محبت وعقیدت رکھنا تو ایمان کا جز ہے، لیکن اسی عقیدت ومحبت کے نام پر وہ تمام چیزیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں

---

(۱) تفسیر عزیزی ص: ۶۲۱ (ط: کتب خانۂ فیضِ ابرار، انکلیشور، گجرات)۔

ان کی نسبت اللہ کے ان بندوں کی طرف کرنا درست نہیں ہے۔ جو کام مشرکین مکہ کرتے تھے آج کا مسلمان اہل اللہ کی عقیدت ومحبت کے نام پر ان ہی چیزوں کی نسبت ان کی طرف کرتا ہے، تو جو کام مشرکین نے کیا اور سب سے بڑی ناشکری کے مرتکب ہوئے وہی آج ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ساتھ عقیدت ومحبت ہونی چاہیے؛ لیکن اس عقیدت ومحبت میں آدمی اتنا آگے نہ بڑھ جائے کہ جو چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصیت ہیں وہ ان نیک بندوں کے لیے ثابت کرنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو بہت اہتمام کے ساتھ امت کو اس سے منع فرمایا ہے اور امت کو اس سے آگاہ کیا، ڈرایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے: لا تطروني كما أطرت النصارى عيسى بن مريم فإنما أنا عبد فقولوا: عبدالله و رسوله (تم تعظیم وتعریف میں اتنا مبالغہ مت کرو جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی تعظیم وتکریم میں کیا۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنادیا، اللہ کا ایک حصہ دار بنادیا۔ اور میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں)۔[۱] حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعلق یہ فرمایا ہے تو دوسروں کا حال تو کیا ہوگا؟

سجدہ اللہ ہی کا حق ہے:

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ دونوں کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُس بیماری میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے، کبھی ذرا دم گھٹتا تو چہرہ کھول دیتے تھے، اس موقع پر

---

(۱) جامع معمر: ۲۰۵۲۴ (ط: المجلس العلمي، باكستان) ومسند أبي داود الطيالسي: ۲۴ (ط: دارهجر، مصر) ومسند الحميدي: ۲۷ (ط: دارالسقا، دمشق) ومسند أحمد: ۱۵۴، ۱۶۴، ۳۳۱، ۳۹۱ وصحيح البخاري: ۳۴۴۵، ۶۸۳۰ وغيرها.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے: لعن اللہ الیھود و النصاریٰ اتخذوا قبور أنبیائھم مساجد یحذر ما صنعوا (اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے حضرات انبیاءؑ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا نبی کریم ﷺ امت کو گویا ڈرا رہے ہیں کہ ایسا مت کرنا)[۱] ان لوگوں نے جو حرکت کی اس سے نبی کریم ﷺ ہمیں بچا رہے ہیں۔ وہ لوگ لعنت کے حقدار اسی لیے ہوئے کہ انہوں نے ان کی قبروں کو سجدہ کیا۔ حضور ﷺ امت کو گویا متوجہ کررہے ہیں کہ سجدہ تو اللہ ہی کا حق ہے۔

عقیدت ومحبت کے نام پر:

ایک مرتبہ آپ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ نے آکر سجدہ کیا، پھر آپ ﷺ نے اپنا کان اس کے منہ کے قریب کیا تو اس نے اپنے مالک کی فریاد کی، حضور ﷺ نے اس کے مالک کو بلوایا اور کہا کہ یہ اونٹ تمہاری شکایت کرتا ہے کہ تم اس سے کام تو لیتے ہو؛ لیکن اس کو دانا پانی، چارہ جیسا دینا چاہیے ویسا نہیں دیتے۔ خیر! مالک کو کہا کہ تم اس کو لے جاؤ، اس کا حق ادا کرو۔ بعد میں صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! اس اونٹ نے جانور ہوکر آپ ﷺ کو سجدہ کیا، کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: نہیں۔ بلکہ روایت میں یہاں تک ہے کہ کیا تم میری قبر سے گزروگے تو مجھے سجدہ کروگے؟ تو صحابہؓ نے کہا: نہیں۔ صحابہؓ نے کہا کہ جب اونٹ کررہا ہے تو ہم تو زیادہ حقدار ہیں۔ حضور ﷺ نے

---

(۱) مسند أبي داود الطيالسي: ۲۲۹ و مسند أحمد: ۱۸۸۴، ۸۷۸۸، ۱۰۷۱۲، ۲۱۲۰۴، ۲۱۶۲۵، ۲۴۰۶۰، ۲۴۵۱۳، ۲۴۸۹۵، ۲۶۱۷۸ وصحيح البخاري: ۱۳۳۰، ۱۳۹۰، ۴۴۴۱ وصحيح مسلم: ۱۹ [۵۲۹، ۵۳۰] و مسند البزار: ۱۲۷۸، ۲۶۰۹، ۷۷۰۴، ۹۳۸۴ (ط: مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة) وسنن النسائي: ۲۰۴۷.

فرمایا کہ نہیں! سجدے کا حق تو اللہ ہی کا ہے، اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے یہ پیشانی جھک نہیں سکتی ہے۔ اگر انسان کے لیے کسی کے سامنے سجدہ کرنا جائز ہوتا، تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔[۱] حقیقت یہ ہے کہ وہ چیزیں، وہ کام، عبادت کے وہ طریقے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ خاص تھے آج اس امت کا فرد اپنے آپ کو مؤمن اور مسلمان کہتے ہوئے اور لا إله إلا الله کا اقرار کرتے ہوئے وہ ساری چیزیں جو مشرکین مکہ اپنے بتوں کے لیے کرتے تھے عقیدت ومحبت کے نام پر ہم اہل اللہ کے لیے کر رہے ہیں۔ تو وہ ناشکری جس کا اس میں ذکر کیا گیا وہی آج ہمارے اندر بھی پائی جا رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم ایسی ناشکری سے اپنے آپ کو بچانے کا خاص اہتمام کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باریک بینی:

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس معاملے میں اتنے زیادہ محتاط تھے کہ ایک مرتبہ مال غنیمت حاصل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم فرمایا۔ اور تقسیم کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنما أنا قاسم والله يعطي (میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، اور دینے والی ذات تو اللہ کی ہے)[۲] حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بانٹ رہے ہیں؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو بتلا رہے ہیں کہ تمھیں اگرچہ میرے ہاتھ سے مل رہا ہے؛ لیکن دینے والا میں نہیں ہوں، تم کو چاہیے کہ دینے والا اللہ ہی کو سمجھو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معاملے میں لوگوں کی اتنی زیادہ تربیت فرماتے تھے کہ مال غنیمت کی تقسیم کے

---

(۱) مسند أحمد: ۱۲۶۱۴.

(۲) مسند أحمد: ۷۱۹۳ (ت. شاکر) وصحيح البخاري: ۴/۸۴ (ط: دار طوق النجاة) ومعجم أبي يعلیٰ الموصلي: ۲ ومسند أبي يعلیٰ الموصلي: ۵۸۵۵ والمعجم الكبير للطبراني: ۷۵۵.

موقع پر بھی آپ ﷺ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والی ذات اللہ کی ہے۔یعنی اس وقت اگر چہ تم کو میرے ہاتھ سے مل رہا ہے؛ لیکن تم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ میں نے نہیں دیا ، بلکہ اللہ نے دیا ہے۔ میرے ہاتھ سے اللہ نے تقسیم کروایا۔ جب ظاہری چیزوں میں آپ ﷺ اتنا زیادہ اہتمام کرتے تھے، تو آج اللہ کے ان نیک بندوں کی قبروں پر جا کر ان کو داتا کہا جا رہا ہے، اور وہاں جا کر اولاد مانگی جارہی ہے، روزی مانگی جارہی ہے، شفاء وتندرستی مانگی جارہی ہے، ان کے نام کی منتیں اور نذریں مانی جارہی ہیں، تو یہ وہی کام ہیں جو مشرکین کیا کرتے تھے، اور جن کے متعلق اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے) کہا گیا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ......:

تو سب سے بڑی ناشکری شرک ہے۔ نعمتیں اللہ نے دیں، اور نسبت کر رہے ہیں دوسروں کی طرف۔ دینے والی ذات اللہ کی، اور کہہ رہے ہیں فلاں نے دی۔ اور ان نعمتوں کا دینے والا حقیقی منعم اللہ ہے، اس کا حق یہ تھا کہ اس کی عبادت کی جاتی، اس کے سامنے پیشانی ٹیکی جاتی، اس کے سامنے سجدہ کیا جاتا؛ اس کے بجائے دوسروں کے سامنے سجدے کیے جارہے ہیں۔

تو ناشکری کا اعلیٰ درجہ شرک ہے۔ اس کے علاوہ دو اور درجے ہیں، جو حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان کیے ہیں، ان کو آئندہ مجلس میں بیان کریں گے۔ ہمیں اپنے آپ کو ناشکری کی ان شکلوں سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ عادیات

(قسط-۳)

(مؤرخہ: ۲۷؍جمادی الاولیٰ، ۱۴۴۰ھ-مطابق: ۲؍فروری ۲۰۱۹ء، شب یک شنبہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد! فأعوذبالله من الشيطٰن الرجيم۝ بسم الله الرحمٰن الرحيم۝

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ﴿۶﴾ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ﴿۷﴾ وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ﴿۸﴾ اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

اعلیٰ ترین ناشکری:

یہ سورۂ عادیات ہے۔ پچھلی مجالس سے اس کا سلسلہ چل رہا ہے۔ اس سورت میں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا ناشکرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا جیسا شکر ادا کرنا چاہیے ویسا ادا نہیں کرتا۔ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کو ناشکری والا یہ طریقہ چھوڑ کر شکر گزاری والا انداز اختیار کرنا چاہیے۔

گذشتہ مجلس میں بتلایا تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے فرمایا کہ ناشکری تین قسم کی ہے۔ سب سے بڑی ناشکری وہ ہے کہ نعمت دینے والی ذات اللہ تبارک وتعالیٰ کی، جس نے ساری نعمتیں عطا فرمائیں، اب انسان ان نعمتوں (اولاد، تندرستی، روزی وغیرہ) کے دینے کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کرنے کے بجائے ان بتوں کی طرف کرتا ہے جن کو اس نے اپنے ہاتھ سے گھڑ لیا ہے۔ گویا نعمتیں دیں تو اللہ نے، اور کہتا ہے کہ لات نے، عزیٰ نے، منات نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور پھر اس منعم کی ان نعمتوں کی وجہ سے اطاعت وفرماں برداری اور عبادت کرنے کے بجائے دوسری چیزوں کی عبادت کرتا ہے، تو گویا یہ بہت بڑی، اعلیٰ درجہ کی ناشکری ہے۔ یہ پہلی قسم ہے۔

ناشکری کی دوسری قسم:

دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جتنی بھی نعمتیں دی ہیں وہ انسان کی مصلحتوں اور ضرورتوں کے پیشِ نظر دی ہیں، انسان اُن نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے۔ جیسے: اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک جسم عطا فرمایا، اس میں آنکھیں، زبان، کان، ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ وغیرہ چیزیں دیں۔ اور اس پانچ فٹ کے جسم میں نہ معلوم اللہ تبارک و تعالیٰ نے کیسے کیسے قویٰ فِٹ کر دیے؟ اور یہ سب اللہ نے ہماری ضرورتوں اور مصلحتوں کے

پیش نظر عطا فرمایا ہے، چوں کہ کائنات کی ان تمام چیزوں کو اللہ نے انسان کے لیے پیدا فرمایا اور انسان کے لیے کائنات کی ان چیزوں سے فائدہ اٹھانا اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کی دی ہوئی یہ ساری نعمتیں (آنکھیں، زبان، کان، ہاتھ، پاؤں، دل اور دماغ) اس میں موجود ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ان تمام قویٰ ہی کے ذریعے سے انسان کائنات کی ان چیزوں سے کماحقہٗ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ گویا یہ انسان کی ضرورت بھی ہے اور مصلحت بھی۔ یعنی ان قویٰ کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن میں آئندہ چل کر اس کا فائدہ ہے۔ گویا یہ ساری نعمتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی مقصد کے پیش نظر عطا فرمائیں۔

کچھ پابندیاں بھی......:

چناں چہ آدمی ان نعمتوں کو ضرورتوں اور مصلحتوں میں استعمال کرنے کے بجائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی منع کردہ چیزوں میں استعمال کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ کچھ پابندیاں بھی لگا دیں، آنکھیں دیں، تو فرما دیا کہ ان آنکھوں کے ذریعے نامحرم عورتوں کو، اسی طرح جن چیزوں کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناپسند چیزوں کو نہیں دیکھنا ہے۔ زبان دی، تو فرما دیا کہ اپنی زبان سے ایسی باتیں نہ نکالیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ الغرض ان اعضاء اور نعمتوں کے استعمال کے دوران کچھ پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں۔

منعم کے خلاف بغاوت:

لیکن انسان ان پابندیوں کا لحاظ نہ کر کے انہی غلط کاموں میں اِن نعمتوں کو استعمال کرتا ہے۔ مثلاً: کسی آدمی نے آپ کو کوئی سواری دی، گاڑی (car) دی، یا موٹر سائیکل دی

کہ آپ اس کو اپنی ضرورتوں میں استعمال کریں۔ آپ ملازمت کے لیے جاتے ہیں، ملازمت کی جگہ کافی دور ہے، وہاں پہنچنے میں بہت مشقت لاحق ہوتی تھی، بس میں، ٹرین میں بیٹھ کر جاتے تھے، اس میں کافی وقت ضائع ہوتا تھا، تو کسی نے موٹر سائیکل یا گاڑی لے کر دے دی، تا کہ آپ اطمینان سے اپنی ملازمت پر جا سکیں، اور اسی طرح اپنی دوسری ضروریات میں استعمال کر سکیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ بھی کہا کہ دیکھو! اس گاڑی کو فلاں فلاں کام (میرے خلاف، مجھے نقصان پہنچانے) میں استعمال مت کرنا۔ اب آپ نے اس کی اس ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے اس گاڑی کو نقصان پہنچانے میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تو یہ اس کی بہت بڑی ناشکری ہوگی کہ جس نے نعمت دی اس نعمت کو اس کے خلاف بغاوت اور نافرمانی میں استعمال کرے۔

آنکھوں کی ناشکری:

آنکھیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، ہمیں ان آنکھوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنی ضروریات میں استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ اگر آنکھیں نہ ہوتی تو ہمارے بہت سارے کام رکے رہتے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے فائدے کے لیے اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے آنکھیں عطا فرمائیں، ساتھ ہی ساتھ کچھ پابندی بھی عائد کر دی۔ اب کوئی آدمی آنکھوں کو اُن کاموں میں استعمال کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے تو اس پابندی کی خلاف ورزی کرنا یہ آنکھ جیسی اس نعمت کی ناشکری ہے۔

نامحرم کو مت دیکھنا......:

جو لوگ بینائی سے محروم ہیں، ان سے پوچھو کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے؟ یا جن کو اللہ

تبارک وتعالیٰ نے بینائی تو دی تھی؛ لیکن کسی بیماری کی وجہ سے ان کی بینائی چھن گئی ہے، اب وہ اس نعمت سے محروم ہیں، اپنی آنکھوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، ان کے دل سے پوچھو کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے؟ وہ بڑی سے بڑی دولت خرچ کر کے، بڑی سے بڑی قربانی دے کر اس نعمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے؛ لیکن محروم ہیں۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ آنکھ کی شکل میں بہت بڑی نعمت عطا فرمائی ہے۔ ہم کمانے کے لیے، اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے آنکھوں کو استعمال کرتے ہیں۔ آپ تجارت یا سروس کریں گے یا کھیتی باڑی کریں گے تو وہاں آنکھوں کی وجہ سے اپنے کاروبار میں بہت زیادہ ترقی کر سکتے ہیں، فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان آنکھوں کو اپنی ضرورتوں میں استعمال کرنے کی اجازت کے ساتھ یہ پابندی بھی عائد کی گئی ہے کہ ان آنکھوں سے نامحرم کو مت دیکھنا۔

میاں بیوی کی محبت، اللہ کی رحمت:

بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے دیکھنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ انعام دیا جاتا ہے۔ جیسے روایتوں میں آتا ہے کہ شوہر جب گھر میں داخل ہو اور گھر میں داخل ہوتے وقت اپنی بیوی کو محبت کی نظر سے دیکھے اور بیوی اپنے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھے، تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جب شوہر بیوی کی ہتھیلی کو پکڑتا ہے، تو دونوں کے گناہ اُن کی انگلیوں کے درمیان سے جھڑ جاتے ہیں، یعنی بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔[۱] دیکھیے!

---

(۱) أخرجه الرافعي في التدوين من طريق ميسرة بن علي في مشيخته: ۲/۴۷ و الرافعي في تاريخه عن أبي سعيد (فيض القدير: ۳۳۷۱)

اس روایت کی سند میں اسماعیل بن یحییٰ تیمی ہیں، جو واضعِ احادیث ہیں۔ اس لیے بعض حضرات نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

شریعت نے بیوی کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنے کی اجازت دی۔ اگر انسان یہی شہوت بھری نگاہ دوسری جگہ ڈالے، جہاں دیکھنے سے اس کو منع کیا گیا تھا تو یہ آنکھ جیسی نعمت کی ناشکری ہوگی۔

دن بھر میں سو حج کا ثواب:

حدیث شریف میں آتا ہے: ما من ولد بارّ ينظر إلى والديه نظرة رحمة إلا كتب الله بكل نظرة حجة مبرورة. (جو بیٹا اپنے ماں باپ کا مطیع وفرماں بردار اوران کو راحت پہنچانے والا ہو، وہ اگر اپنے والدین کو مہربانی کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر نظر پر اس کو حج مبرور کا ثواب عطا فرماتے ہیں) یہ سن کر حضرات صحابہؓ نے عرض کیا: يا رسول الله! وإن نظر كل يوم مأة مرة؟ (اگر وہ آدمی ایک دن میں سو مرتبہ اپنے ماں باپ کو اس طرح مہربانی کی نگاہ سے دیکھے، تو اس صورت میں بھی ہر ہر نگاہ پر یہ ثواب ملے گا؟) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نعم! الله أكبر وأطيب. (جی ہاں! اللہ تعالیٰ کی شان تو بہت اونچی اور بڑی پاکیزہ ہے)[۱] اس کے خزانے میں کہاں کمی ہے؟ اگر وہ ایک نظر پر بھی سو حج مبرور کا ثواب دے تب بھی کوئی کمی آنے والی نہیں ہے۔ تو دیکھو! آنکھ کا ایک استعمال یہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہوتے ہیں۔ آدمی ایسا استعمال کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں ثواب کا ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوجائے گا۔

بدنظری؛ آنکھوں کا زنا:

اگر انسان نامحرموں پر نگاہ ڈالتا ہے تو قرآن کریم میں اس سے منع کیا گیا ہے: قُلْ

---

(۱) مكارم الأخلاق لابن أبي الدنيا: ۲۱۵ وشعب الإيمان للبيهقي: ۷۴۷۲، ۷۴۷۵. (اس روایت میں نہشل نامی ایک راوی ہیں، جو کذاب ہیں، بایں سبب یہ روایت اقرب الی الموضوع ہے۔ دیلمی نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ اور علامہ ذہبیؒ نے ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ الاصبہانی کے ترجمے میں ان کے طریق سے اس روایت کو ذکر کر کے اس کو منکر قرار دیا ہے)۔

لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ (النور: ۳۰) (آپ ایمان والے مردوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں) وَ قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ (النور: ۳۱) (اور ایمان والی عورتوں سے بھی کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں)۔ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فالعینان زناهما النظر. (آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں، اور ان کا زنا دیکھنا ہے)[1] جیسے آدمی کسی پرائی عورت کے ساتھ بدفعلی کرے تو وہ زنا کہلاتا ہے، وہ تو شرم گاہ کا زنا ہوا۔ لیکن آنکھوں کا زنا یہ ہے کہ کسی پرائی عورت کو شہوت کی نگاہ سے دیکھے۔ اللہ نے منع فرمایا۔ اب ان آنکھوں سے وہ نامحرم عورتوں کو، پرائی عورتوں کو شہوت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے تو یہ آنکھ کی ایک ناشکری ہوئی، جس کو زنا قرار دیا گیا ہے۔

کڑوے گھونٹ کی حلاوت:

یہ بدنگاہی بڑی خطرناک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باری تعالیٰ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

النظرة سهم من سهام إبليس مسمومة، فمن تركها من خوف الله أثابه جل وعز إيماناً يجد حلاوته في قلبه. (کسی پرائی عورت کو شہوت بھری نظر سے دیکھنا یہ شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں جو میرے ڈر اور میرے خوف سے اس بدنگاہی کو چھوڑ دے گا تو اس کے بدلہ میں، میں اس کو ایک ایسی ایمانی کیفیت عطا فرماؤں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا)[2]

---

(۱) مسند أحمد: ۳۹۱۲، ۸۵۳۹، ۸۸۴۳، ۹۳۳۱، ۱۰۸۲۹، ۱۰۹۱۱ وصحيح مسلم: ۲۱[۲۶۵۷] ومسند البزار: ۱۹۵۶، ۸۹۱۳، ۹۳۴۱ وغيرها.

(۲) المعجم الكبير للطبراني: ۱۷۳/۱۰ [۱۰۳۶۲] والمستدرک للحاکم: ۳۴۹/۴ [۷۸۷۵].

......تو کیا خیال کریں گے:

دوسروں کے ڈر سے تو آدمی بدنگاہی چھوڑ دیتا ہے، آدمی بدنگاہی کر رہا ہو اور اِس دوران اُس نے محسوس کیا کہ میرے ابّا میری اس حرکت کو دیکھ رہے ہیں، یا میرے استاذ مجھے دیکھ رہے ہیں، یا میرے شیخ مجھے دیکھ رہے ہیں، تو وہ اپنے آپ کو روک لے گا۔ یہ تو بڑوں کی بات ہے، بلکہ اگر چھوٹے دیکھ رہے ہوں، جیسے اگر آدمی بدنگاہی کر رہا ہو اور وہ یہ محسوس کرے کہ میرا بیٹا مجھے دیکھ رہا ہے، یا میرا شاگرد مجھے دیکھ رہا ہے تو وہ فوراً شرما کر اپنے آپ کو روک لے گا۔ اور سوچے گا کہ میرا بیٹا یا شاگرد کیا خیال کریں گے کہ ہمارا باپ یا استاذ کیسا کمینہ ہے؟ تو اپنے اس چھوٹے کے ڈر سے اپنے آپ کو بدنگاہی سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

جذبات پر قابو پانے کا نسخہ:

بہت سے لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی نگاہوں پر کنٹرول نہیں رکھ سکتے۔ ان سے کہو کہ اگر تم بدنگاہی کر رہے ہو اور اِن لوگوں (باپ استاذ، شیخ یا بیٹا، شاگرد) نے تم کو دیکھ لیا تو اپنے آپ کو فوراً بچاؤ گے یا نہیں؟ تو کہیں گے: بچائیں گے نا۔ تو ان کے معلوم ہونے کے ڈر سے بچا رہے ہو، مگر اللہ تعالیٰ تو ہر وقت دیکھ رہے ہیں!!! اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (العلق:۱۴) (کیا اس بندے کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے) یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ. (غافر:۱۹) (اللہ تبارک وتعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتے ہیں اور ان باتوں کو بھی جو آدمی اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں) اللہ تعالیٰ تو ان ساری چیزوں سے واقف ہیں!!! تو بندوں کے اپنے حال سے واقف ہونے کو

محسوس کرتے ہوئے اپنے آپ پر کنٹرول کر لیتے ہیں، تو کیا اللہ کی خاطر آپ اپنے آپ پر بدنگاہی سے کنٹرول نہیں کریں گے؟ جب کہ آپ بندوں کے لیے اپنے آپ کو روکیں گے تو کوئی انعام ملنے والا نہیں ہے۔ اللہ کے لیے اپنے آپ کو روکیں گے- يجد حلاوته في قلبه-تو انعام بھی ملے گا۔

۷ رمیل کا فاصلہ:

اور یہ آنکھ ایسی عظیم نعمت ہے کہ سائنسداں کہتے ہیں کہ آنکھ جب اندھیرے میں جاتی ہے تو پھیلتی ہے اور اجالے میں آتی ہے تو سکڑتی ہے، وہ اگر اجالے میں آکر نہ سکڑے تو اس صورت میں آدمی دیکھ نہیں سکتا۔ اور اس پھیلنے اور سکڑنے کے دوران آنکھ کے پٹھے اور مسلسل سات (۷) میل کا فاصلہ طے کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ قیمتی نعمت ہمیں عطا فرمائی ہے اور ہم اسے بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اب اگر اللہ کی دی ہوئی ان آنکھوں کو کوئی آدمی اللہ کی نافرمانی میں استعمال کرے، جن چیزوں کو دیکھنے سے اللہ نے منع کیا ہے مثلاً: نامحرم عورتیں، ٹی وی یا موبائل میں نامحرم عورتوں کی تصاویر، ان ہی چیزوں کو دیکھ رہا ہے، تو اس صورت میں وہ اللہ کی دی ہوئی اتنی بڑی نعمت کی ناشکری کر رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ تربیت:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدنگاہی سے بچنے کے لیے ایک عجیب وغریب چیز بتلائی ہے۔

ایک نوجوان نے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں زنا کا عادی ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو زنا سے بچا نہیں سکتا۔ میں شریعت کے سارے کام کرنے کو تیار ہوں؛ لیکن زنا کی عادت ایسی ہے کہ وہ مجھ سے چھوٹ نہیں سکتی، آپ مجھے زنا کی

اجازت دے دیجیے۔ نبیٔ کریم ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس پر ناراض ہو کر سخت سزا دیتا؛ لیکن قربان جایئے نبیٔ کریم ﷺ کی شانِ تربیت پر، کہ آپ ﷺ نے ذرا برابر بھی غصے کا اظہار نہیں فرمایا۔ اپنے قریب بلایا اور محبت سے پوچھا: تم کسی نہ کسی عورت کے ساتھ ہی زنا کروگے، تو بتلاؤ! اگر کوئی آدمی تمہاری ماں کے ساتھ یہ حرکت کرے تو تم اس کو گوارا کروگے؟ کہا: ہرگز نہیں۔ تمہاری بیٹی کے ساتھ؟ کہا: ہرگز نہیں۔ تمہاری بہن کے ساتھ؟ کہا: ہرگز نہیں۔ تمہاری خالہ اور پھوپھی کے ساتھ؟ کہا: ہرگز نہیں۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: جس کے ساتھ تم زنا کروگے وہ بھی تو کسی کی ماں، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن، کسی کی خالہ اور پھوپھی ہوگی۔ کیا وہ اس کو گوارا کرے گا؟ اس نے ہر مرتبہ کہا: نہیں اللہ کے رسول! میری جان آپ پر قربان ہو، پھر آپ ﷺ نے اپنا دستِ بابرکت اس پر رکھا، اور یہ دعا دی: اللهم اغفر ذنبه وطهر قلبه وحصن فرجه. (اے اللہ! اس کا گناہ معاف کردے، دل پاکیزہ بنادے، اور اس کی شرم گاہ کی (حرام کام سے) حفاظت کر) اس کے بعد یہ جوان اس قسم کے کسی گناہ کی جانب التفات نہیں کرتا تھا۔[۱] حضور ﷺ نے جو تعلیم دی وہ ہمارے لیے ہر میدان میں مشعلِ راہ ہے۔

جب ہمارا نفس ہمیں بدنگاہی پر آمادہ کر رہا ہو، تو کسی عورت کو غلط اور شہوانی نگاہ سے دیکھنے سے پہلے آدمی سوچ لے، کہ کیا کوئی آدمی میری ماں کو، میری بیوی کو، میری بیٹی کو اور میری بہن کو اس طرح دیکھے تو میں پسند کروں گا؟ تو جب میں اپنے لیے اس چیز کو پسند نہیں کر سکتا تو میں بھلا دوسروں کی ماں، بہن، بیٹی اور ان کی بیویوں کو کیوں شہوت بھری نگاہ سے دیکھوں؟ حضور ﷺ کی شان تربیت دیکھیے! کہ اس کو اس طریقہ سے سمجھایا کہ یہی سوچ

---

(۱) مسند أحمد: ۲۲۲۱۱ والمعجم الكبير للطبراني: ۷۶۷۹، ۷۷۵۹.

آدمی اگر اپنے اندر پیدا کر لے تو ہر قسم کی بدنگاہی سے اپنے آپ کو آسانی سے بچا سکتا ہے۔

اللہ کو یہ گوارا نہیں ......:

اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أحب للناس ماتحب لنفسک.... (لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، لوگوں کے لیے وہ چیز ناپسند کرو جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو)[۱] ہم نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں، جو اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ چیز گوارا نہیں ہے۔ تمام بندیاں اللہ تعالیٰ کی ہیں، اللہ کے لیے سب برابر ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے۔

......تو کوئی بات نہیں:

ہاں! کوئی آدمی نکاح کا ذریعہ- جو شریعت کا بتلایا ہوا ہے- اختیار کر کے عورت کو اپنے لیے حلال کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ اس عورت سے صحبت کرتا ہے تو کوئی بات نہیں۔ جیسے ایک باپ اپنی بیٹی کو اپنی رضا مندی کے ساتھ کسی کے نکاح میں دیتا ہے، جب نکاح ہو گیا تو باپ کو کبھی نا گوار نہیں ہوگا کہ میرا داماد میری بیٹی کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں کرتا ہے؟ وہ یہ سوچتا بھی نہیں۔ بلکہ اگر ان حقوق کی ادائیگی میں اس کی طرف سے کوتاہی ہو تو شکایت پیدا ہوتی ہے۔ ساری بندیاں، اللہ کی بندیاں ہیں اللہ اس کو گوارا نہیں کرتے کہ اللہ کی کسی بندی کی طرف کوئی آدمی اس طرح شہوت بھری نگاہ سے دیکھے، جو اس کے لیے جائز نہ ہو۔

---

(۱) مسند أحمد: ۲۲۶۵۳، ۲۲۶۵۲ والمعجم الكبير للطبراني: ۶۲۵.

حضرت سعدؓ کی غیرت:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ زنا کی بات آئی، تو حضرت سعد بن عبادہؓ جو قبیلۂ خزرج کے سردار تھے، انہوں نے یوں کہا کہ میں اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی آدمی کو دیکھ لوں نا، تو میں تو تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔ ان کا یہ جملہ سن کر نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ غیرت کی بات ہے، تم کو حضرت سعد کی غیرت پر تعجب ہوتا ہے؟ میں ان سے زیادہ باغیرت ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ باغیرت ہیں۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا۔ زنا کرنے والا ایک ناجائز اور غلط طریقے سے ایک عورت کو استعمال کر رہا ہے یہ اللہ کو گوارا نہیں ہے۔ اللہ اس کو سزا دیں گے۔ ہاں! اگر نکاح کے بعد استعمال کرتا تو کوئی اشکال کی چیز نہیں تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے آنکھ جیسی نعمت عطا فرمائی ہے، اس کو اپنی ضرورتوں اور اپنی مصلحتوں (ضرورت اس کو کہتے ہیں کہ جہاں استعمال نہ کریں تو ہمارا نقصان ہو، اور مصلحت وہ کہلاتی ہے جہاں استعمال کرنے میں ہمارا فائدہ ہوتا ہے) میں استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، اس کے خلاف جہاں اللہ نے منع کیا ہے اگر وہاں استعمال کریں گے تو یہ آنکھ جیسی نعمت کی ناشکری ہو جائے گی۔

زبان کی شان:

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں زبان عطا فرمائی، زبان اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کو بیان کیا ہے: اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ

---

(۱) مسند أحمد: ۱۸۱۶۸ وصحيح البخاري: ۶۸۴۶، ۷۴۱۶ وصحيح مسلم: ۱۷ [۱۴۹۹] وغيرها.

وَلِسَانًا وَّ شَفَتَيْنِ (البلد:۹،۸) (کیا ہم نے انسان کے لیے دو آنکھیں، زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے؟) گویا اللہ اپنی اس نعمت کو بطور احسان ذکر فرما رہے ہیں۔ زبان اللہ تعالیٰ کی ایسی عجیب وغریب نعمت ہے کہ آدمی جب سے بولنا سیکھتا ہے، تب سے بولنے کا سلسلہ برابر موت تک جاری رہتا ہے، نہ اس میں کچھ تیل ڈالنا پڑتا ہے، نہ سروس کرانی پڑتی ہے، نہ اوور ہولنگ (over holing) کرانی پڑتی ہے، اور کمال کی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کے دل ودماغ اور زبان کا آپس میں ایسا رابطہ قائم کر دیا ہے کہ جہاں آدمی نے ارادہ کیا فوراً زبان اپنا کام شروع کر دیتی ہے، بولنا شروع کر دیتی ہے۔ ایسا نہیں کہ تم سوئچ (switch) آن کرو پھر وہ بولنا شروع کرے گی، اس میں تو دیر ہو جائے گی!!! کیا عجیب وغریب نظام ہے؟ اِدھر دل میں ارادہ ہوا اور اُدھر زبان نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی عجیب وغریب نعمت ہمیں عطا فرمائی ہے۔

دروغ اے برادر مگوز ینہار:

لیکن ساتھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں تاکید فرمائی کہ اس کو فلاں فلاں کام میں استعمال مت کرنا۔ زبان کے ذریعے جھوٹ مت بولنا۔ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: إياكم و الكَذِب فإن الكذب يهدي إلى الفجور وإن الفجور يهدي إلى النار. (تم اپنے آپ کو جھوٹ سے بچاؤ، اس لیے کہ جھوٹ آدمی کو گناہ کے راستے پر لے جاتا ہے، اور گناہ والا راستہ آدمی کو جہنم تک پہنچا تا ہے)[۱]

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی جب جھوٹ بولتا ہے تو رحمت کا فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے، اس کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے کہ اس بدبو کی وجہ سے

(۱) مصنف ابن أبي شيبة: ۲۵۵۹۹ ومسند أحمد: ۱۰۸،۱۶۴ وسنن أبي داود: ۴۹۸۹ وغيرها.

فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا مؤمن بزدل ہوسکتا ہے؟ فرمایا: ہوسکتا ہے۔ مؤمن بخیل ہوسکتا ہے؟ فرمایا: ہوسکتا ہے۔ جھوٹا ہوسکتا ہے؟ فرمایا: جھوٹا نہیں ہوسکتا۔[۲] تو جھوٹ سے اللہ اور رسول نے منع فرمایا۔ ہم اپنی گفتگو میں، اپنے معاملات میں بے دریغ جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں، ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ میں اللہ کی نافرمانی کررہا ہوں، اللہ کی نعمت کی ناشکری کررہا ہوں۔

ہماری مجالس غیبتوں سے معمور:

اللہ نے غیبت سے منع کیا۔ قرآن میں باری تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ.(الحجرٰت: ۱۲) (تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تو تم ناپسند کرتے ہو) قرآن میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کی ایک ایسی خطرناک مثال دی کہ مردار کا گوشت، وہ بھی انسان کا، اور انسان بھی کون؟ اپنا بھائی۔ جس طرح یہ خطرناک ہے، ویسے غیبت بھی ہے۔ اس کے باوجود ہماری مجلسوں میں، ہماری گفتگو میں غیبت کا ارتکاب ہوتا ہے۔ غیبت کر کے اللہ کی زبان جیسی اس عظیم نعمت کی ہم ناشکری کرتے ہیں۔

چغلی؛ زبان کا غلط استعمال:

ایسے ہی چغلی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا یدخل

---

(۱) سنن الترمذي: ۱۹۷۲ ومساوئ الأخلاق للخرائطي: ۱۵۰ والمعجم الأوسط للطبراني: ۷۳۹۸ والمعجم الصغير له: ۸۵۳.

(۲) موطأ مالک رواية الليثي: ۲/ ۹۹۰ [۱۹] (ط: مؤسسة الرسالة) و الجامع لابن وهب: ۵۲۱ (ط: دار ابن الجوزي، الرياض) وشعب الإيمان للبيهقي: ۴۴۷۲.

الجنة قتات. (چغلی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا)[۱] اب اسی زبان سے ہم چغلی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سب وشتم اور گالی گلوچ سے منع کیا، اسی زبان کو ہم گالی میں استعمال کرتے ہیں۔ تو اتنی بڑی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، اس غلط استعمال کی وجہ سے اللہ کی اس نعمت کی ہم ناشکری کرتے ہیں، اللہ کو ناراض کر رہے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ کبھی ہم نے نہیں سوچا کہ اس نعمت کو کس غلط جگہ استعمال کر کے ہم اللہ کو ناراض کر رہے ہیں۔

سستا سودا......!!!:

حالاں کہ یہ تو ایک ایسی عجیب وغریب چیز ہے کہ ہم جتنا اللہ کی یاد میں، ذکر میں استعمال کرتے اتنا ہمارے لیے اس میں فائدہ تھا۔

حدیث پاک میں آتا ہے نبی ٔکریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: التسبیح نصف المیزان و الحمد للہ یملاہ. (سبحان اللہ نامۂ اعمال تولنے کے ترازو کو آدھا بھر دیتا ہے اور الحمد للہ اس کو پورا بھر دیتا ہے)۔[۲]

بخاری شریف کی روایت میں یہ بھی ہے: کوئی آدمی ایک دن میں سو (۱۰۰) مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھے گا، تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، چاہے وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔[۳]

اسی طرح حدیث شریف میں وارد ہے کہ کسی آدمی نے سو (۱۰۰) مرتبہ صبح اور سو

---

(۱) مسند أحمد: ۲۳۲۴۷، ۲۳۳۰۵، ۲۳۳۱۰... ومسند البزار: ۲۹۵۴ وغیرھما.

(۲) جامع معمر بن راشد: ۲۰۵۸۲ ومسند أحمد: ۱۸۲۸۷، ۲۳۰۷۳... وسنن الترمذي: ۳۵۱۸، ۳۵۱۹ وغیرھا.

(۳) صحیح البخاري: ۶۴۰۵.

(۱۰۰) مرتبہ شام کو سبحان اللہ پڑھا، تو گویا اس نے سو (۱۰۰) حج کیے۔ اور جس نے سو (۱۰۰) مرتبہ صبح، اور سو (۱۰۰) مرتبہ شام کو الحمد للہ پڑھا، گویا اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے سو (۱۰۰) گھوڑے سواری کے لیے دیے۔ اور جس نے سو (۱۰۰) مرتبہ صبح اور سو (۱۰۰) مرتبہ شام کو لا إله إلا الله پڑھا، تو گویا حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے سو (۱۰۰) غلام آزاد کیے۔[۱] کتنا سستا سودا ہے!!!!! سو مرتبہ سبحان اللہ آپ دو منٹ میں پڑھ لیں گے۔ اور اس پر اتنا بڑا ثواب!!! لیکن ہمیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہم یہ فضیلت حاصل کریں۔

حدیث شریف میں آتا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا حول ولا قوة إلا بالله ننانوے (۹۹) بیماریوں کا علاج اور دوا ہے۔[۲] جس میں سب سے کم درجہ غم ہے۔ اب غم ایسی چیز ہے جس کو ہم دور نہیں کر پاتے؛ لیکن لا حول ولا قوة إلا بالله سے ختم ہو جائے گا۔

جنت کی گارنٹی، نبی کی زبانی:

بہر حال! زبان کے صحیح استعمال پر نبیٔ کریم ﷺ نے کیسی بشارتیں سنائی ہیں۔

بخاری شریف کی روایت ہے: من يضمن لي مابين لحييه و ما بين رجليه اضمن له الجنة. (جو آدمی اپنے اس عضو کی جو دو جبڑوں کے درمیان ہے اور اس عضو کی جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (زبان اور شرم گاہ) اس کی مجھے گارنٹی دے، یعنی ان اعضاء کو غلط استعمال نہیں کرے گا، تو میں اس کو جنت کی گارنٹی دیتا ہوں)[۳] صرف بچنا ہے۔

---

(۱) سنن الترمذي: ۳۴۷۱.

(۲) مسند اسحاق بن راهويه: ۱۵۴ والمعجم الأوسط للطبراني: ۵۰۲۸ والمستدرک للحاکم: ۱۹۹۰ والطب النبوي لأبي نعيم: ۲۳۱.

(۳) صحيح البخاري: ۶۴۷۴.

......نہ کرنے پر ثواب:

قدرت کا نظام تو دیکھو! دنیا میں کوئی چیز نہ کرنے پر کوئی معاوضہ نہیں ملتا کہ یہ نہیں کروگے تو ہم تم کو اتنی تنخواہ دیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں دیکھو! تم نہیں کروگے تو تم کو ثواب ملے گا۔ زنا سے بچوگے، بدنگاہی سے بچوگے، تو ثواب ملے گا۔ اپنی زبان کو غلط باتوں سے بچاؤگے، تو جنت کی گارنٹی۔ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کام کے نہ کرنے پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و کرم ہے۔ لیکن ہم اس سے بھی فائدہ اٹھانے کو تیار نہیں ہیں۔ غلط استعمال کرکے اللہ کی ناراضگی مول لیتے ہیں۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ کوئی آدمی جب اللہ کی رضامندی والا کوئی کلمہ اپنی زبان سے بول رہا ہوتا ہے، اس کو کوئی پرواہ بھی نہیں، کوئی خیال اور دھیان بھی نہیں کہ میں اتنی اونچی بات اپنی زبان سے بول رہا ہوں؛ لیکن اس کے بولنے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں اس کے بہت سارے درجات بلند فرماتے ہیں۔ اور جب کوئی بندہ اللہ کی ناراضگی والا کوئی کلمہ اپنی زبان سے بول رہا ہوتا ہے، تب اس کو کوئی پرواہ بھی نہیں، کوئی خیال اور دھیان بھی نہیں ہوتا کہ میں اتنی خطرناک چیز اپنی زبان سے نکال رہا ہوں؛ لیکن اس کے بولنے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو جہنم میں اتنا دور ڈال دیتے ہیں، جتنا مشرق و مغرب میں فاصلہ ہے۔[۱]

زبان کی کرامت:

دیکھیے! سو سال کا کافر کلمۂ شہادت پڑھ لے تو مسلمان ہوجائے گا، اب تک سو سال

---

(۱) صحيح البخاري: ۶۴۷۷، ۶۴۷۸.

کی بدعملیوں کی وجہ سے وہ جہنم کا حقدار تھا؛ لیکن ایک مرتبہ سچے دل سے کلمۂ شہادت پڑھ لیا تو مؤمن ہو گیا اور جنت کا حقدار بن گیا۔ یہ زبان کی کرامت دیکھو۔ اور اسی زبان سے کوئی مؤمن اگر کلمۂ کفر کہہ دیتا ہے تو سارے اعمال حبط ہو جائیں گے، اور وہ جہنم کا حقدار ہو جائے گا۔ تو زبان ایک ایسی نعمت ہے جس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

ہاتھ کی ناشکری:

تو اللہ تعالیٰ نے یہ ساری نعمتیں: زبان، آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ دیں۔ ہاتھ ہمیں اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے دیے اب اس کے ذریعہ ہم ظلم کریں، لوگوں کو ستائیں، تکلیف پہنچائیں، تو یہ ناشکری ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده. (کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذاؤں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) اب اگر کوئی آدمی اپنی زبان سے، اپنے ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ کامل مسلمان کہلائے جانے کا حقدار نہیں ہے۔

پاؤں کی ناشکری:

پاؤں ہمیں اپنی ضرورتوں میں استعمال کے لیے دیے گئے ہیں، یا ان پاؤں سے ایسے کام کریں جس سے اللہ راضی ہو، اللہ کے بندوں کو راحت پہنچے۔ اگر اس کے برخلاف گناہ کے کام میں استعمال کریں گے، ناجائز کاموں میں استعمال کریں گے تو بہت بڑی ناشکری ہوگی۔

مال کی ناشکری:

مال اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ جن لوگوں کے پاس مال ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اور ہم لوگ اس نعمت کو اللہ کی نافرمانی میں، جہاں اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، وہاں استعمال کر کے اس کی ناشکری اور ناقدری کرتے ہیں۔ ساری نعمتوں کا یہی حال ہے۔

تو یہ ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے) یہ ناشکری کی دوسری قسم ہے کہ اللہ کی وہ تمام نعمتیں جو اللہ نے انسان کو اپنی انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر عطا فرمائی ہیں، اور ان میں کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، ان نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی اور اللہ کی ناراضگی کے کاموں میں استعمال نہ کرے۔

تیسری قسم کی ناشکری کو آئندہ مجلس میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ عادیات

(قسط-۴)

(مؤرخہ: ۴ رجمادی الاخریٰ، ۱۴۴۰ھ - مطابق: ۱۰ رفروری ۲۰۱۹ء، شب یک شنبہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً.

أمابعد! فأعوذبالله من الشيطٰن الرجيم ○ بسم الله الرحمٰن الرحيم ○

وَالۡعٰدِیٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِیٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِیۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِہٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِہٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّہٖ لَکَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّہٗ عَلٰی ذٰلِکَ لَشَہِیۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّہُمۡ بِہِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾

غیر ذوی العقول کی وفاداری:

سورۂ عادیات کی تشریح کا سلسلہ چل رہا ہے۔ جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان

گھوڑوں کی قسم کھائی ہے جن کو اہل عرب دشمنوں کے مقابلے میں استعمال کرتے تھے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے گویا گھوڑوں کی قسم کھا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ گھوڑے جن کو تم اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ وجدال میں استعمال کرتے ہو، وہ اتنے وفادار ہوتے ہیں کہ وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی اپنے مالک کے ساتھ وفاداری کرتے ہیں۔ دشمن کی فوج میں گھس جاتے ہیں اور اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ قسم کھا کر یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو یہ گھوڑا انسان نہیں بلکہ جانور ہے، غیر ذوی العقول (بغیر عقل کی مخلوق) ہے، وہ اپنے مالک کے ساتھ اتنا وفادار ہے کہ مالک نے اس کے لیے چارہ، اور کھانے پینے کا انتظام کیا، اور اس کی ضرورتوں کا خیال کیا، صرف اسی بنیاد پر وہ اپنے مالک کے ساتھ اتنی وفاداری سے پیش آتا ہے کہ اپنی جان بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے، اور اپنے مالک کی حفاظت اور اس کے حکم کی بجا آوری کا اہتمام کرتا ہے۔

اس کے مقابلے میں انسان ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ (بے شک انسان اپنے پروردگار کا بہت بڑا ناشکرا ہے) اب یہ ناشکری کی تفصیل چل رہی تھی کہ ناشکری کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) نعمتوں کی نسبت دوسروں کی طرف:

(۱) سب سے اعلیٰ ناشکری یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں، ہم ان نعمتوں کو استعمال کر کے فائدہ اٹھا رہے ہیں؛ لیکن ان نعمتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کے بجائے دوسروں کی طرف کرتے ہیں۔ اللہ نے نعمتیں دیں: آنکھ، کان، زبان، دل ودماغ، جسم، ہاتھ، پاؤں، رزق، اولاد، بیماری سے صحت وشفاء وغیرہ۔ اور

ہم دوسروں کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں۔ کہ مجھے تو فلاں داتا کی طرف سے روزی ملی ہے، ان کی طرف سے بیماری سے شفاء ملی ہے، بتوں کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں۔ اور اسی بنیاد پر ان کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ حالاں کہ عبادت اللہ کی کرنی چاہیے۔ یہ ناشکری کی پہلی صورت ہے جو سب سے اعلیٰ درجہ کی ناشکری ہے۔

(۲) نعمتوں کے ذریعے منعم کا مقابلہ:

(۲) ناشکری کی دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں ہماری ضرورتوں اور مصلحتوں کا لحاظ کرتے ہوئے بہت ساری نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان نعمتوں کو ہم اپنی ضرورتوں اور اپنی مصلحتوں میں بوقت ضرورت استعمال کرتے ہیں؛ لیکن ساتھ ہی ساتھ ان ہی نعمتوں کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال کرتے ہیں۔ گویا ان نعمتوں کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو آنکھیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہماری ضرورت پوری کرنے کے لیے دی تھیں، نیک کام کرنے کے لیے دی تھیں، ان آنکھوں کو ہم اللہ کی منع کردہ چیزوں میں استعمال کر کے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ یہی حال تمام نعمتوں کا ہے۔ یہ ناشکری کی دوسری صورت ہے۔

(۳) منعمِ حقیقی کی فراموشی:

(۳) اب ناشکری کی تیسری قسم- جو شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ فرماتے ہیں- یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا فرمودہ ان نعمتوں کی محبت ہم پر اس قدر غالب آجاتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو ان کے استعمال میں اتنا غرق کر دیتے ہیں کہ نعمت دینے والی ذات کو ہی بھول جاتے ہیں۔ اور منعمِ حقیقی کی طرف سے غفلت برتتے ہیں، یہ تیسری قسم ہے۔

چناں چہ حضرت محمد بن ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ کَنُوْد اس کو کہتے ہیں جو نعمت کو دیکھے اور نعمت دینے والے کو نہ دیکھے۔[۱] نعمت تو استعمال کر رہا ہے؛ لیکن یہ نہیں سوچتا منعم کون ہے؟ اس کا مجھ پر کیا حق ہے؟ تو گویا ان نعمتوں کی محبت اور ان کی مشغولی نے ہمیں منعم کی طرف سے غافل کر دیا۔ اب ہمیں بھولے سے بھی خیال نہیں آتا کہ یہ نعمت ہمیں اللہ نے دی ہے، ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے، اس کی اطاعت و فرماں برداری اور اس کے احکام کی بجا آوری کرنی چاہیے۔

......یہ تو میرا حق ہے:

انسان کا ایک اور مزاج ہے، کہ انسان نعمتوں کے ملنے پر کبھی یہ نہیں سوچتا کہ یہ نعمتیں مجھے اللہ تعالیٰ نے دی ہیں؛ بلکہ یوں سوچتا ہے کہ میری محنت کی وجہ سے اور میرے حق کے طور پر مجھے ملی ہیں۔ قرآن کریم میں باری تعالیٰ انسان کے اسی مزاج کو فرماتے ہیں:

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ (حم السجدة:۵۰) (جب ہم تکلیف کے بعد کسی نعمت سے نوازتے ہیں تو پھر وہ بڑا دندناتا ہوا اور دعوے سے کہتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا جو مجھے ملا)۔ گویا اس کو اللہ کی عطا نہیں سمجھتا۔ یہ اور زیادہ خطرناک ذہنیت اور سوچ ہے۔

کبھی نہیں سوچتے......:

ہم اگر اپنی زندگی کا جائزہ لیں تو صبح سے لے کر شام تک ہم اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، زبان سے اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، کانوں سے سنتے ہیں، علم حاصل کرتے ہیں، ہاتھوں کو اپنی حاجتوں

---

(۱) تفسیر ثعلبی، تفسیر قرطبی، معارف القرآن (عثمانی) وغیرہ۔

میں استعمال کرتے ہیں، پاؤں سے چل کر اپنے کام انجام دیتے ہیں۔ لیکن کبھی یہ نہیں سوچتے کہ یہ نعمتیں کس نے دی ہیں؟ اللہ نے دی ہیں، تو ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

چہل سال عمرِ عزیز ت گذشت:

دیکھو! انسان کو اس کا خیال بھی نہیں آتا۔ ہم اور آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اتنا بڑا مجمع ہے، ہر ایک کی ایک عمر ہے، میری عمر پچھتر سال ہے، ہر آدمی سوچے کہ اپنی اتنی طویل عمر میں کیا ہم نے کبھی اپنی زبان سے یہ کہا کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں آنکھیں عطا فرمائیں۔ ایک مرتبہ بھی ہماری زبان سے ایسا نکلا؟ کیا ہماری زبان سے یہ نکلا کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے کان جیسی نعمت عطا فرمائی۔ جو اس نعمت سے محروم ہیں، بہرے ہیں تو بہرے ہونے کی وجہ سے وہ بولنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، یعنی گونگے بھی بن جاتے ہیں۔ اتنی بڑی نعمت اللہ نے ہمیں دی، اتنے سالوں سے استعمال کر رہے ہیں؛ لیکن کبھی بھی ہماری زبان پر یہ نہیں آیا کہ اے اللہ! تو نے کان جیسی نعمت عطا فرمائی، تیرا شکر اور احسان ہے۔ زبان جیسی نعمت عطا فرمائی اس کا شکر ادا نہیں کیا۔ ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ اور ایسی بے شمار نعمتوں میں ہم غرق ہیں؛ لیکن اپنی زبان سے کبھی اس کا شکر ادا کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

از خدائے خویشتن غافل مباش:

ہم اپنا جائزہ لیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم دن میں کتنی مرتبہ اللہ کے حضور یہ اقرار کرتے ہیں کہ اے اللہ! یہ سب تو نے عطا فرمایا ہے، تیرا احسان ہے، تیرا شکر ہے۔ اللھم لك الحمد كله ولك الشكر كله. اے اللہ! تیرا ہی شکر ہے، تیری ہی تعریف ہے کہ تو نے آنکھیں دیں، کان دیے۔ ہم نے اتنی عمر میں کتنی مرتبہ یہ شکر ادا کیا؟ ہر ایک اپنے

اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنا اپنا جائزہ لے اور اس سوال کا جواب حاصل کر لے۔کیا واقعۃً ہم غفلت میں نہیں ہیں؟ اللہ کی ان نعمتوں کو پوری غفلت کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں۔کبھی بھی اس نعمت دینے والے کے احسان کا خیال نہ آیا۔

میرا اسیٹھ کتنا اچھا ہے!!!:

ایک ملازم کسی کمپنی میں نوکری کرتا ہے،ایک غلام اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے، اس کے آقا نے اس کو مکان دیا،گاڑی دی،ٹیلیفون لگا دیا،اس کی اورضرورتوں کا انتظام کر دیا۔تو وہ ساری دنیا کے سامنے گاتا پھرتا ہے کہ مکان مجھے میرے آقا نے دیا،یہ میری گاڑی مجھے آقا نے دی،اور جب بھی مکان میں جائے گا دل ہی دل میں آقا کو یاد کرے گا،کہ میرا آقا کتنا اچھا ہے!!! میرا اسیٹھ کتنا اچھا ہے!!! اس نے مجھے مکان بنا دیا،اس نے مجھے گاڑی دی،اس نے مجھے یہ چیز دی۔تو انسان کی دی ہوئی چیزوں کے معاملے میں تو ہمارا یہ حال ہے؛لیکن اللہ نے اتنی عظیم اور بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں؛لیکن کبھی بھولے سے بھی ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ نعمتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں۔نعمتوں میں مشغول ہیں،نعمتیں استعمال کر رہے ہیں،اسی میں اپنے آپ کو کھپا رہے ہیں؛لیکن نعمت دینے والے کی طرف سے غفلت برت رہے ہیں،اس کو بھول رہے ہیں۔یہ ناشکری کی تیسری صورت ہے۔

قدرِ نعمت بعد زوالِ نعمت:

دیکھو! جب تک اطمینان اور سکون سے نعمت استعمال کرتے رہتے ہیں،تب تک کبھی خیال نہیں آتا کہ یہ اللہ کی اتنی بڑی نعمت ہے۔لیکن کوئی بیماری آ گئی جس کی وجہ سے بولنا بند ہو گیا،تو جس کا بولنا بند ہوا اس کو پوچھو اس پر کیا گزرتی ہے؟ دوست آ کر ملتے ہیں اور

جب نہیں بول پاتا تو اس کی آنکھوں میں آنسوں آجاتے ہیں۔ وہ اپنے درد کا اظہار بھی نہیں کرسکتا، لیکن اتنی مدت تک یہ زبان کو استعمال کرتے رہے، اور سالہا سال اللہ کی اس نعمت سے فائدہ اٹھاتے رہے اُس وقت کبھی یہ خیال نہ آیا کہ اس نعمت کا میں شکر ادا کروں۔ کبھی کوئی مصیبت آگئی جس کی وجہ سے بینائی تھوڑی دیر کے لیے چھن گئی، تو کیا ہوگیا؟ جیسے ایک بڑی مصیبت آگئی، آدمی ہکا بکا رہ جاتا ہے، اور بڑی سے بڑی دولت خرچ کرکے اس نعمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جب دوبارہ حاصل ہو جاتی ہے تو کہتا ہے: اے اللہ! تیرا شکر ہے تو نے پھر سے دیکھنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ لیکن اب تک جو مسلسل دیکھتا رہا کبھی اس کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

گردن از حکمِ داور مپیچ:

حضرات انبیاءؑ کو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا میں اسی لیے بھیجتے ہیں کہ وہ انسان کو اس غفلت سے نکالیں، اور بندہ اللہ کی جو نعمتیں استعمال کرر ہا ہے، اس کو متوجہ کریں کہ تم اپنے آپ کو ان نعمتوں میں مشغول کر کے اللہ کو بھول مت جاؤ؛ بلکہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ نعمت دینے والے کی طرف بھی تمہاری توجہ ہونی چاہیے، اس کی اطاعت و فرماں برداری ہونی چاہیے، اس کے احکام کی بجا آوری ہونی چاہیے۔ یہی اس نعمت کا شکر ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ جب نعمت چھن جاتی ہے تب ہمیں خیال آتا ہے۔ ہم روزانہ دو تین وقت کھانا کھاتے ہیں، اور غفلت کے ساتھ کھانا شروع کیا، اور پورا بھی کرلیا، اس کھانے سے فائدہ اٹھالیا، اپنی بھوک مٹائی، لذت حاصل کرلی۔ لیکن اگر بیماری آگئی، بیماری کی وجہ سے بھوک کا تقاضہ ختم ہوگیا، یا بیماری کی وجہ سے کھانے کی لذت محسوس نہ ہو، تو آدمی

بے چین ہو جائے گا، ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب! چاہے جتنے پیسے لے لو لیکن اس کا یہ علاج کرو۔ کھانا کھاتا ہوں؛ لیکن کچھ پتا ہی نہیں چلتا کہ کچھ کھا بھی رہا ہوں یا نہیں، کبھی لذت کا احساس نہیں ہوتا۔ تو لذت کے ساتھ کھانا کھانا؛ یہ اتنی بڑی نعمت ہے جس کا آج احساس ہوا۔ اسی طرح کھانا آسانی سے ہضم ہو جاتا ہے یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے؟ آج تک ہمارا دھیان ہی نہیں گیا!!! لیکن جب بد ہضمی کی شکایت ہو جائے تو اندازہ ہوگا کہ اوہو! اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت تھی! جس کا میں نے آج تک کبھی شکریے کا اہتمام نہیں کیا۔ حضرات انبیاءؑ آ کر یہی سکھلاتے ہیں کہ بھائی! تم اللہ کی جس نعمت کو استعمال کر رہے ہو، اس کے ساتھ نعمت دینے والے کو بھی یاد کرو، اس کا شکر ادا کرو۔

عجیب ہے......!!!:

شمائل میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إن الله ليرضىٰ عن العبد أن يأكل أكلة فيحمده عليها و يشرب شربة فيحمده عليها. (اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے خوش ہوتے ہیں جب وہ کھانا کھاتا ہے تو کھانے پر اللہ کی حمد اور تعریف کرتا ہے، پانی پیتا ہے تو پانی پر اللہ کی حمد و تعریف کرتا ہے)[1] لو بھئی! ہم نے تو کھایا، اور کھانے پر صرف اتنا ہی کہہ دیا کہ اللهم لک الحمد و الشکر تو بھی اللہ خوش ہوتے ہیں، اور اس پر جنت کا فیصلہ۔ عجیب ہے!!! اللہ کے انعامات دیکھیے! صرف زبان سے شکر ادا کرنا ہے، اس نعمت پر زبان سے اللہ کی حمد کرنا ہے، جو ہم نے کیا وہ تو اللہ کا حق تھا، لیکن اس پر اللہ تعالیٰ خوش ہو کر مزید آخرت کی نعمتوں سے ہمیں نوازتے ہیں۔

---

(۱) صحيح مسلم: ۸۹[۲۷۳۴] وسنن الترمذي: ۱۸۱۶ والسنن الكبرىٰ للنسائي: ۶۸۷۲.

گاہک بھیجنے والا کون......؟؟؟

ایک تاجر دکان پر بیٹھتا ہے، صبح سے شام تک پیسے کمانے میں لگا ہوا ہے، ایک لمحے کے لیے بھولے سے بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا؛ یہ سوچتا نہیں کہ صبح سے لے کر شام تک گاہکوں کا یہ جو تانتا بندھا ہوا ہے، لائن لگی ہوئی ہے، یہ گاہک کس نے بھیجے؟ اللہ نے ان کے دل میں ڈالا۔ تم جس مال کو بیچنے کے لیے دکان کھولے ہوئے ہو، ویسا ہی مال اتنے ہی داموں میں تمہارے پڑوس والا دکان دار بھی بیچ رہا ہے، وہاں ایک گاہک بھی نہیں جاتا، اور آپ کی دکان پر لائن لگی ہوئی ہے، آپ کو ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں۔ آپ پیسے بٹورنے میں تو پڑے ہوئے ہیں؛ لیکن کبھی یہ سوچا کہ ان گاہکوں کو میری دکان پر بھیجنے والا کون ہے؟ اللہ نے ان کے دلوں میں ڈالا۔ تو کبھی اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا یہی حال ہے۔

ترا مال ونعمت فزاید زشکر:

اور کمال کی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نعمتوں کے شکر ادا کرنے پر ان نعمتوں میں زیادتی کا وعدہ فرمایا ہے: لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (ابراھیم: ۷) (اگر تم شکر کروگے تو ضرور بالضرور میں نعمتوں میں اضافہ کروں گا) وعدہ بھی بالکل پکا ہے کہ ان نعمتوں کے شکر پر نعمت میں زیادتی ہوتی ہے۔ ہم زیادتی تو چاہتے ہیں؛ لیکن کبھی شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ عجیب معاملہ ہے انسان کا۔ اور ہر جگہ یہی حال ہے۔

اس سے بڑی ناشکری کیا ہوگی؟:

آپ کو بمبئی جانا ہے تو ابھی گھر سے نکلے، رکشا میں بیٹھ کر اسٹیشن جا رہے ہیں، ٹریفک جام ہے تو دل ہی دل میں دعا کریں گے: اے اللہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ٹرین چوک جاؤں، مجھے وقت پر اسٹیشن پر پہنچا دے۔ اب وقت پر اسٹیشن پر پہنچ گیا؛ لیکن شکر کے لیے زبان پر ایک لفظ بھی نہیں آتا۔ اب آگے کی فکر یہ ہے کہ مجھے ٹرین میں جگہ مل جائے، جگہ مل گئی، شکر کا ایک لفظ بھی زبان پر نہیں آیا۔ اب فکر ہے کہ ٹرین اپنے وقت پر منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم درجہ بہ درجہ نعمتیں مانگتے جا رہے ہیں، تمنا اور خواہش کرتے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری تمنا اور خواہش کے مطابق نعمتیں دیتے چلے جا رہے ہیں؛ لیکن ہمیں اس نعمت کے شکریے کے لیے ایک لفظ اور ایک کلمہ بھی اپنی زبان سے نکالنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہوگی؟ ہر آدمی اپنا حال سوچے، ہمیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

کس نتواند کہ بجا آورد:

حضرات انبیاءؑ لوگوں کو اسی غفلت سے نکالنے کے لیے آتے ہیں۔ لوگوں کو اللہ کی نعمتوں سے واقف کریں کہ یہ اللہ کی نعمت ہے، یہ اللہ کی نعمت ہے۔ اور اس کا شکر تم کو اس طرح ادا کرنا چاہیے، شکر ادا کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ کی نعمتیں تو بے حساب ہیں، آدمی شکر ادا کرنا چاہے تب بھی ادا نہیں کرسکتا۔ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا-۱۳) (اے داود کے خاندان والو! گھرانے والو! فیملی والو! اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، میرے بندوں میں شکر کرنے

والے بہت کم ہیں) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت داودؑ خود مراد ہیں کہ اے داود! اللہ کی نعمتوں کا شکرادا کرو۔اس کے جواب میں حضرت داودؑ نے عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ! تیری نعمتوں کا شکر کیسے ادا کرسکتا ہوں ؟اس لیے کہ جب شکرادا کروں گا تو شکرادا کرنے کی توفیق کا ملنا بھی تیری نعمت ہے، پھراس کا بھی شکرادا کروں گا، پھر واپس نعمت ۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تونے جان لیا کہ نعمت میری ہی جانب سے ملتی ہے،تو تو نے میرا شکرادا کردیا۔[۱] بہرحال! اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ایسی تسلسل کے ساتھ ہیں کہ آدمی ان کا شکرادا نہیں کرسکتا۔

ہر سانس پر دو شکر:

شیخ سعدیؒ نے جہاں گلستاں کی شروعات کی ہے وہاں ایک بات عجیب فرمائی: *ہر نفسے کہ فرومی رود ممد حیات ست وچوں برمی آید مفرح ذات، پس در ہر نفسے دو نعمت موجود و بر ہر نعمتے شکرے واجب۔* (ہر سانس جو اندر جاتی ہے وہ آدمی کی زندگی کو بڑھاتی ہے اور جب باہر آتی ہے تو وہ آدمی کے لیے فرحت ہے)اس لیے کہ اندر کی سانس اگر اندر ہی رہ جائے تو آدمی کا دم گھٹ جائے اور مر جائے۔ دم گھٹنے کی وجہ سے آدمی کیسی تنگی محسوس کرتا ہے؟ جب سانس نکلتی ہے تو ایک فرحت اور خوشی کا احساس ہوتا ہے۔پھر شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں (ہر سانس میں دو نعمت ہیں، اس کا اندر جانا بھی نعمت، اس کا باہر نکلنا بھی نعمت ہے،تو گویا ہر نعمت پر شکر واجب)تو ایک سانس میں دو شکر۔اور ایک سانس میں دو شکرادا کرنے جائے گا اتنے میں تو دوسری اور تیسری سانس آجائے گی۔انسان پوری زندگی خالی سانس کا شکرادا کرنا چاہے

---

(۱)تفسیر ابن کثیر:۶/۵۰۱ والدر المنثور:۶/۶۸۰ نقلاً عن ابن أبي حاتم عن الفضیل.

تب بھی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ہم تو اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے سورج کی روشنی استعمال کررہے ہیں، زمین سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اور بے شمار نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، ان کی بات تو دور کی رہی، خالی سانس کا شکر ادا کرنا چاہیں تو بھی وہ ادا نہیں کرسکتے۔ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا (النحل:۱۸) (اللہ کی نعمتوں کو اگر تم شمار کرو تو اس کو شمار نہیں کرسکتے) جب شمار نہیں کرسکتے، تو شکر کہاں ادا کرسکتے ہیں؟

شکر پر پہلا وار شیطان کا:

جب شیطان کو حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو شیطان نے سجدہ نہیں کیا، قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ (الاعراف:۱۲) (میں ان سے بہتر ہوں، (میں ان کو کیسے سجدہ کروں گا؟) مجھے تو آپ نے آگ سے پیدا کیا اور ان کو مٹی سے پیدا کیا) اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی بارگاہ سے مردود کیا، تو شیطان نے کہا کہ اِن (یعنی آدمؑ) کی وجہ سے مجھے آپ کی بارگاہ سے مردود ہونا پڑا، اب اِن کی اولاد کی خبر لوں گا۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ‌ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ. (الاعراف:۱۲) (میں ان کو گمراہ کرنے کے لیے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے ان پر حملہ کروں گا، اور اے پروردگار! تو ان میں سے اکثروں کو شکر گزار نہیں پائے گا) شیطان کا پہلا حملہ شکر پر ہوتا ہے۔ چناں چہ کتنے شکر کرنے والے ہیں؟

بیمار کے تو وارے نیارے:

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں **کنود** اس کو کہتے ہیں جو مصائب کو یاد رکھے اور

نعمتوں کو بھول جائے۔[۱] بخار آیا تو عین اُس وقت جب بخار ہے شکایت کرتا ہے کہ بخار ہے، بخار ہے، بخار ہے۔ بخار کے وقت وہ اللہ کی کتنی نعمتیں استعمال کر رہا ہے؟ اللہ کی پیدا کی ہوئی ہوا سے سانس لے رہا ہے، اللہ کی پیدا کی ہوئی روشنی سے فائدہ اٹھا رہا ہے، کھانا کھا رہا ہے اور جس بیماری کو وہ مصیبت سمجھتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی عنایت ہوتی ہے کہ بیماری کی وجہ سے گھر کے سب لوگ آ کر اس کی خبر لے رہے ہیں، خدمت کر رہے ہیں۔ دوستوں کے فون آ رہے ہیں، ہم نے سنا آپ کو بخار ہو گیا ہے، کیسی طبیعت ہے؟ اگر ہسپتال میں داخل کرنے کی نوبت آتی ہے تو جوق در جوق لوگ آپ کی خبر لینے کے لیے آ رہے ہیں۔ آپ کو پتا چل رہا ہے کہ دنیا میں آپ سے محبت کرنے والے کتنے ہیں؟ یہ بخار نہ آتا تو پتا نہ چلتا۔ لہٰذا یہ بخار بھی اس معنی کر کے اللہ کی ایک نعمت ہے۔ لیکن آدمی ان ساری چیزوں کو بھول کر اسی کی شکایت کرتا ہے۔ یہ انسان کا مزاج ہے۔

شکر کی ادائیگی کا نبوی طریقہ:

صبح کی دعا:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکر کی ادائیگی کے مختلف طریقے بتلائے: مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: من قال حين يصبح اللهم ما أصبح بي من نعمة أو بأحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك فلك الحمد ولك الشكر فقد ادّى شكر يومه.... (جو آدمی صبح کے وقت یہ دعاء پڑھ لے گا: اے اللہ! آج صبح میں جتنی نعمتیں مجھے حاصل ہوئیں، اور تیری مخلوق میں سے سب کو جو بھی نعمتیں حاصل ہوئیں وہ سب تیرے

---

(۱) تفسير الطبري وتفسير ابن كثير ومعارف القرآن (عثمانی) وغيرها.

اکیلے ہی کی طرف سے ہیں، اس میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔بس! تیری ہی ہیں سب تعریفیں، اور تیرا ہی ہے سب شکر۔اس نے اس دن کا شکر ادا کر دیا......)[1] یہ اللہ کا احسان ہے کہ صرف ایک دعا پڑھنے کی وجہ سے دن بھر کی نعمتوں کا شکر ادا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے کتنا آسان راستہ ہم کو بتلادیا؟

شام کی دعا:

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اسی طرح کا جملہ شام کو کہے: اللهم ما امسى بي من نعمة أو بأحد من خلقك فمنك وحدك لا شريك لك فلك الحمد ولك الشكر (اے اللہ! اس شام کو جتنی نعمتیں مجھے اور تیری مخلوق کو حاصل ہوئیں وہ تیرے اکیلے کی طرف سے ہیں، اس میں کوئی شریک نہیں، بس! تیرے ہی لیے ساری تعریف اور تیرے ہی لیے سارا شکر ہے) تو رات بھر کی نعمتوں کا اس نے شکر ادا کر دیا۔[2] کتنا آسان طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا!!! ایک دعاء صبح پڑھنی ہے، وہی دعاء ایک کلمہ بدل کر شام کو پڑھنی ہے، گویا ہم نے دن بھر اور رات بھر کی نعمتوں کا شکر ادا کر دیا۔

بنامِ خدا می کنم ابتدا:

شکر کی ادائیگی کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر کام کی شروعات اللہ کے نام سے کرو۔

كل كلام أو أمر ذي بال لا يبدأ فيه (أو لا يفتح) بذكر الله (أو بالحمد لله) فهو أبتر أو قال أقطع. (ہر مہتم بالشان کلام یا کام جو اللہ کی حمد سے شروع نہ کیا گیا ہو وہ ناقص اور ادھورا رہتا

(۱) سنن أبي داود: ۵۰۷۳ ومشكاة المصابيح: ۲۴۰۷ [۲۷].

(۲) سنن أبي داود: ۵۰۷۳ ومشكاة المصابيح: ۲۴۰۷ [۲۷].

ہے)[۱] کھانا کھاؤ تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھو۔ پانی پیو تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھو۔کوئی اہم کام شروع کرو تو بسم اللہ پڑھو۔ گویا اس کلمے کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم یہ کلمہ پڑھ کر اللہ کے حضور اس کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تیری توفیق سے میں یہ کام کر رہا ہوں۔ اگر تیری توفیق شامل حال نہ ہوتی تو میں یہ کام نہ کرسکتا۔

بسم اللہ کی برکت کھانے میں:

اسباب کو اختیار کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے، اس دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے؛ لیکن اسباب میں تاثیر اللہ تعالیٰ نے ڈالی۔ کھانے کو بھوک دور کرنے کا ایک سبب اللہ نے بنایا ہے لیکن کھانے میں بھوک کو دور کرنے کی تاثیر کس نے رکھی؟ اللہ نے۔ لہٰذا جب ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانا کھائیں گے، تو اللہ تعالیٰ کی تاثیر سے بھوک دور ہوگی۔ ورنہ بہت سے لوگوں کو ایک بیماری ''جوع البقر'' ہو جاتی ہے، اس میں کھانا کھا رہے ہیں؛ لیکن بھوک دور نہیں ہوتی۔ اسی طرح استسقاء کا مرض ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے پانی پی رہے ہیں؛ لیکن پیاس دور نہیں ہوتی۔ گویا اس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے کلمے سے ہمیں ایک بہت بڑا سبق دیا گیا ہے، کہ ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہونے کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ اور اس سبب کو میں اللہ کے حکم کی وجہ سے اختیار کر رہا ہوں۔

---

(۱) مسند أحمد: ۸۲۹۷ و سنن ابن ماجه: ۱۸۹۴ و السنن الكبرىٰ للنسائي: ۱۰/ ۲۵۵ و مسند البزار: ۸۴۹۸ و المعجم الكبير للطبراني: ۱۹/ ۷۲ [۱۴۱].

بسم اللہ کی برکت دکان میں:

آپ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر دکان کا تالا کھولو گے، تو گویا آپ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ اے اللہ! دکان روزی دینے والی نہیں ہے، روزی دینے والا تو ہے، تیرے حکم سے میں نے سبب اختیار کیا ہے۔ تو گویا ہر سبب میں تاثیر پیدا کرنا کس کا کام ہے؟ اللہ کا۔

بسم اللہ کی برکت دوا میں:

آپ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر دوا کھائیں گے، تو گویا اس بات کا اظہار کر رہے ہیں کہ اس دوا میں صحت اور شفاء ڈالنا تیرا کام ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہی دوا اسی بیماری میں ایک مہینہ پہلے کھائی تھی تو ٹھیک ہو گیا تھا۔ لیکن وہی بیمار آج اُسی بیماری میں وہی دوا کھا رہا ہے؛ لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ ابھی میں ایک بیماری سے گزر رہا ہوں، ایک دوا آدھی چمچی صبح میں کھا لیتا تھا، فائدہ ہوتا تھا۔ ابھی کئی دنوں سے بواسیر کا خون نکل رہا ہے، دوا کھاتا جا رہا ہوں؛ لیکن کوئی فائدہ نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ بتلانا چاہتے ہیں کہ دوا میں اثر ڈالنا میرا کام ہے۔ ہم اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ اللہ ہی کی قدرت ہے، ہمارے بس میں ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

دعا؛ شکریے کا طریقہ:

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے موقع بہ موقع مختلف دعائیں ہم کو بتلائیں۔ کپڑا نیا پہن رہے ہیں تو پہنتے وقت اللهم لك الحمد كما كسوتنيه أسألك خيره وخير ما صنع له وأعوذ بك من شره وشر ما صنع له. (اے اللہ! تیری تعریف کہ تو نے یہ کپڑا مجھے عطا فرمایا، اب میں

جس کام کے لیے وہ بنایا گیا اس کی خیر اور اس کپڑے کی خیر تجھ سے مانگتا ہوں، اور جس مقصد میں استعمال ہوتا ہے اس کے شر اور اس کپڑے کے شر سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں)[۱]

الغرض! ہر نعمت اور ہر چیز کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے موقع بہ موقع مختلف اوقات میں جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں، اگر ان کو پڑھنے کا اہتمام کریں گے، تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہوگا، جو نبی کریم ﷺ نے ہم کو بتلایا۔

کھانا کھا کر پڑھیں گے: الحمد لله الذى أطعمنا و سقانا وجعلنا مسلمين.

(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا)[۲] کھانے پینے کے ساتھ اسلام کی نعمت کا بھی شکر ادا ہوا، کہ اسی نعمتِ اسلام کی وجہ سے آج ہم شکر ادا کرنے کے قابل ہوئے۔ تو بہر حال! یہ جو صبح و شام اور مختلف مواقع کی دعاؤں کو باقاعدہ یاد کر کے پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ جس کی وجہ سے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا ہوگا، اور شکر کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کا حق بھی ادا ہوگا۔

میری ناشکری کی سزا......:

تو یہ تیسری ناشکری تھی کہ آدمی نعمتوں میں لگ کر نعمت دینے والے کو بھول جائے۔

آج کل یہی ہو رہا ہے۔ مال دیا، تو آپ مال خوب استعمال کر رہے ہیں؛ لیکن کبھی بھولے سے یہ خیال نہیں آتا کہ یہ مال کس نے دیا؟ میں اس کا شکر کروں۔

ہمارے حضرتؒ نے قصہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ تھے حضرت مولانا احمد شاہؒ، مراد

---

(۱) مسند أحمد: ۱۱۲۴۸، ۱۱۴۵۹ و المنتخب لعبد بن حُميد: ۸۸۲ و سنن أبي داود: ۴۵۲۰ و سنن الترمذي: ۱۷۶۷ و السنن الكبرىٰ للنسائي: ۱۰۰۵۹.

(۲) مسند أحمد: ۱۳۱۳، ۱۱۲۷۶، ۱۱۹۳۴ و سنن أبي داود: ۳۸۵۰ و سنن ابن ماجه: ۳۲۸۳.

آباد کے پاس ایک گاؤں کے رہنے والے تھے حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ بہت اونچی نسبت والے تھے۔تو ان کو اخیر میں کسی بیماری کی وجہ سے پیشاب کے لیے تھیلی لگانی پڑی۔تو وہ پیشاب کی تھیلی ہاتھ میں لیے رہتے تھے، کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ تو جواب میں فرماتے تھے کہ میری ناشکری کی سزا ہے، پوری زندگی بڑے اطمینان کے ساتھ پیشاب ہوتی رہی؛ لیکن کبھی اس پھوٹی زبان سے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے اطمینان کے ساتھ پیشاب کرادی۔اب اس ناشکری کی سزا بھگت رہا ہوں۔

پیشاب رُک جائے تو......؟؟؟:

ایک آدمی ہے جو بالکل اپاہج ہے، پاؤں بھی کام نہیں کرتے، پڑا ہوا ہے، مکھیاں اس پر بھنبھنا رہی ہیں، وہاں سے لوگ گزر رہے ہیں۔ایک بزرگ وہاں سے گزرے۔ انہوں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس پر اللہ کی کیا نعمتیں ہیں؟ کہا: کیا نعمتیں ہیں؟ فرمایا کہ کیا وہ اطمینان کے ساتھ سانس نہیں لے رہا ہے؟ کیا اطمینان کے ساتھ اس کو پیشاب نہیں ہورہا ہے؟ اگر پانچ منٹ کے لیے پیشاب رک جائے تو ہمارا کیا حال ہوتا ہے؟

تندرستی ہزار نعمت:

صحت ایک نعمت ایک ہے، بلکہ ہزاروں نعمتیں ہیں۔آنکھ کی صحت الگ نعمت ہے، زبان کی صحت الگ نعمت ہے، کان کی صحت الگ نعمت ہے، ناک کی صحت الگ نعمت ہے، ہاتھ کی صحت الگ نعمت ہے، پاؤں کی صحت الگ نعمت ہے، دل ودماغ کی صحت الگ نعمت ہے، گردے کی صحت الگ نعمت ہے۔ ہر عضو کی صحت اپنی جگہ الگ نعمت ہے۔ایک تندرستی میں ہزار نعمتیں ہیں۔ گجراتی میں بولتے ہیں એક તંદુરસ્તી હજાર નેઅમત. حقیقت تو

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں جتنے اعضاء پیدا فرمائے، ان سب میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر کام کر رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نہیں؛ بے شمار نعمتیں ہیں۔ ہم کتنے کا شکر ادا کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ عادیات

(قسط-۵)

(مؤرخہ:۱۱/ جمادی الاخریٰ، ۱۴۴۰ھ-مطابق:۱۶/فروری/ ۲۰۱۹،شب یک شنبہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى اٰله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد!

فأعوذبالله من الشيطٰن الرجيم۝بسم الله الرحمٰن الرحيم۝

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝۳ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝۹ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝۱۰ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝۱۱

انسان بڑا ناشکرا ہے:

سورۂ عادیات کی تشریح چل رہی ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ. اللہ تبارک وتعالیٰ نے گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کی ایک خرابی اور نقص کو بیان کیا کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ گویا ایک طرف آپ گھوڑوں کے حالات پر نظر کیجیے، دوسری طرف انسان کا حال دیکھیے، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ انسان اپنی ناشکری میں کہاں تک پہنچا ہوا ہے؟ ناشکری کی تین صورتیں آپ کے سامنے بیان کی گئیں۔

خود گواہ ہے:

آگے باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ. (اور وہ خود اس بات کا گواہ ہے) یعنی خود انسان اپنے ناشکرا ہونے کا گواہ ہے۔ کیسے؟ انسان صبح سے شام تک اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش میں سر سے لے کر پاؤں تک ڈوبا ہوا ہے، چوبیس گھنٹے، ہر گھڑی، ہر لمحہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان نعمتوں کو استعمال کر رہا ہے؛ لیکن اس کا جو شکر ادا کرنا چاہیے وہ نہیں کرتا۔ انسان اپنی زندگی کے اس طرز عمل پر خود گواہ ہے کہ وہ اللہ کا بڑا ناشکرا ہے۔ باہر سے گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

آگے باری تعالیٰ ان ہی گھوڑوں کی قسم کو سامنے رکھ کر ایک دوسری خرابی اور نقص بیان فرماتے ہیں: وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ. (انسان مال کی محبت میں بہت آگے بڑھا ہوا ہے، بہت پکا ہے)۔

ایک زمانہ ایسا آئے گا……:

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال کو لفظ ''خیر'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ قرآن میں دیگر جگہوں پر بھی مال کو لفظ خیر سے تعبیر کیا گیا ہے، یہاں بھی اللہ تبارک تعالیٰ نے مال کو خیر بتلا کر فرمایا کہ انسان مال کی محبت میں بہت آگے بڑھا ہوا ہے۔ مال کی محبت انسان پر چھائی ہوئی ہے، اس کے دل میں پیوست ہو چکی ہے، اور اسی وجہ سے جب وہ مال کو حاصل کرنے کے درپے ہوتا ہے تو جائز و ناجائز، حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں کرتا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی پیشین گوئی بخاری شریف میں ہے: يأتي على الناس زمان لا يبالي المرء ما أخذ منه أمن الحلال أم من الحرام. (ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ آدمی اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا وہ جو مال حاصل کر رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام)[۱] بس! مال چاہیے۔ آج کل یہ مزاج عام ہو رہا ہے۔ گویا مال حاصل کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ مال کی محبت انسان کے دل میں پیوست ہو چکی ہے۔

مال خیر کیسے……؟؟؟:

آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کو لفظ خیر سے تعبیر فرمایا اور خیر تو بھلائی کو کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور شریعت مطہرہ نے مال کمانے کا جو طریقہ ہمیں بتلایا ہے، اگر اس طریقے کے مطابق مال حاصل کیا جائے اور استعمال کیا جائے، تو وہ مال خیر اور بھلائی ہی بھلائی ہے۔ پہلے بھی بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے روز میدان حشر میں انسان سے جو پانچ سوال کیے جائیں گے، ان میں دو سوال تو مال ہی سے متعلق ہیں

(۱) مسند أحمد: ۱۸۳۶۸ وصحيح البخاري: ۲۰۵۹ وسنن الترمذي: ۱۲۰۵ والمعجم الكبير للطبراني: ۳۴/۲۱ [۱۲] وغيرها.

من أين اكتسبه و فيم أنفقه؟ (کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا)[1] لہٰذا آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دراصل مال اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک نعمت ہے، جو اللہ تبارک تعالیٰ نے بندوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے عطا فرمائی ہے، کہ اس کے بغیر انسان کی ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتیں۔ انسان کو بھوک لگتی ہے، کھانے کی ضرورت ہے، پہننے کے لیے لباس کی ضرورت ہے، سر چھپانے کے لیے مکان کی ضرورت ہے۔ ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مال کو پیدا فرمایا ہے۔ اگر جائز وحلال طریقے سے کماتا اور جائز وحلال طریقے سے استعمال کرتا ہے، تو وہ انسان کے حق میں خیر ہی خیر ہے۔ اس کے ذریعہ سے وہ اللہ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرسکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مال کو خیر سے تعبیر فرمایا۔

نعم مال صالح خواندش رسول:

حدیث پاک میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد وارد ہے: نعم المال الصالح للرجل الصالح. (پاک اور حلال مال جو جائز طریقے سے حاصل کیا گیا ہو وہ نیک آدمی کے لیے بہت اچھی چیز ہے)[2] مال بھی پاک اور حلال ہو، اور جس کے ہاتھ میں وہ مال ہے وہ بھی صالح اور مطیع وفرماں بردار ہو۔ لہٰذا مال کو جائز طریقوں سے حاصل کرکے جائز طریقوں سے خرچ کرنے کو نبی کریم ﷺ بہترین چیز فرمارہے ہیں۔

---

(۱) سنن الترمذي: ۲۴۱۶ وغیرہ.

(۲) مسند أحمد: ۱۷۷۶۳ والأدب المفرد: ۲۹۹ والصحیح ابن حبان: ۳۲۱۰.

مال سے خدمت لیجیے!!:

ویسے مال اپنی ذات کے اعتبار سے بری چیز نہیں، خیر ہی خیر ہے۔تو برا کیا ہے؟ اس کی محبت۔ جو دل میں پیوست ہوجاتی ہے اور سارے معاملات کو الٹ دیتی ہے۔ مال کو اللہ تعالیٰ نے انسان کا خادم بنا کر پیدا کیا ہے، نہ کہ انسان اس مال کی خدمت میں لگ جائے اور اس کو مخدوم بنادے۔ مال سے خدمت لیجیے۔ جب تک اس کی محبت آپ کے دل میں گھر نہ کرلے، پیوست نہ ہوجائے، تب تک وہ آپ کے حق میں خیر ہی خیر اور بھلائی کا ذریعہ ہے۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است:

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی مثنوی شریف نامی ایک کتاب ہے، اس میں بڑے عمدہ حقائق و معارف کو مختصر لفظوں میں، اشعار میں بیان فرمایا ہے۔ ہمارے اکابر کے ہاں اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے کا بڑا اہتمام تھا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ تو باقاعدہ اس کا درس دیتے تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ کے ہاں بھی اس کے درس کا سلسلہ ہوتا تھا۔ بڑے عجیب عجیب حقائق بیان کیے گئے ہیں۔تو مولانا جلال الدین رومیؒ نے مال کو سمجھانے کے لیے اشعار میں ایک عجیب وغریب مثال دی:

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است ۔۔۔ آب اندر زیر کشتی پشتی است

مال و دولت کی مثال دریا کے پانی کی طرح ہے، اور انسان کی مثال کشتی کے مانند ہے۔ اگر پانی کشتی کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں اور نیچے ہو، تو وہ کشتی کو چلاتا ہے، دھکے دیتا ہے، آگے بڑھاتا ہے، جب تک پانی کشتی سے باہر ہے؛ مفید اور کارآمد ہے، لیکن اگر یہی پانی کشتی میں داخل ہوگیا تو اب وہ پانی کشتی کو ڈبودے گا۔ اسی طریقہ سے مال کی محبت

اگر انسان کے دل میں پیوست ہو جائے، تو یہی مال انسان کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

بے مال بدحال:

مال ایسی ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر آدمی کا کام نہیں چلتا۔ مال نہیں ہوگا تو کھائے گا کہاں سے؟ پہنے گا کیا؟ رہے گا کہاں؟ اپنی ضرورتیں کیسے پوری کرے گا؟ ضرورت کی چیز ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس کو اپنے دل میں جگہ نہیں دینی چاہیے؛ بلکہ باہر رکھ کر فائدہ اٹھانا چاہیے۔ جیسے کشتی کے باہر پانی ہوتا ہے تو وہ اس کے لیے مفید اور کارآمد ہوتا ہے، اس کو دھکے دیتا ہے، آگے چلاتا ہے، اور اگر اندر گھس جائے تو وہ اس کو ڈبو دیتا ہے۔

خادم کو مخدوم نہ بناؤ:

جیسے بیت الخلاء، اِس زمانہ میں عموماً کوئی بھی مکان ایسا نہیں ہوگا جس میں بیت الخلاء، واش روم نہ ہو۔ وہ ہے ضرورت کی چیز!!! جس کو گجراتی میں સંડાસ کہتے ہیں وہ جائے ضرور ہے، تو اس کے بغیر کوئی بھی مکان ادھورا ہے؛ لیکن وہ شوق اور محبت کی چیز نہیں ہے، وہ تو صرف ضرورت کی چیز ہے۔ آدمی بوقت ضرورت اس کو استعمال کرتا ہے۔ کوئی آدمی یوں سوچے کہ میں گھر جاؤں گا، بیت الخلاء میں اس طرح بیٹھوں گا، اس طرح اپنا وقت گزاروں گا۔ کبھی کوئی آدمی بیت الخلاء کے متعلق یوں سوچتا ہے؟ کبھی نہیں۔ کیوں کہ بیت الخلاء کو اس نے اپنی ضرورت کی چیز سمجھا ہے۔ جب تقاضا ہوگا اس وقت جائے گا، اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد نکل آئے گا۔ کوئی اس کو اپنا شوق، محبت کا مرکز، اپنی رغبت کی چیز نہیں بناتا۔ اسی طرح مال کا حال ہے کہ مال انسان کی ضرورت کی چیز ضرور ہے، اس کے بغیر آدمی کا کام چلتا نہیں ہے؛ لیکن اس مال کو اگر انسان اپنے دل میں جگہ دے دے، تو وہ

اس کے لیے ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بنے گا۔ خادم کو خادم ہی رکھو، مخدوم مت بناؤ، اسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔

چناں عاشق روئے زر گشتۂ:

انسان کا حال کیا ہو گیا ہے؟ انسان مال کی محبت میں ایسا ڈوب جاتا ہے کہ اس کو کمانے کی فکر میں چوبیس گھنٹے اپنے آپ کو لگائے رکھتا ہے، کہ کس طرح میرا بینک بیلینس بڑھ جائے، کس طرح میری دکان ترقی کر جائے؟ کس طرح میری فیکٹری بڑھ جائے؟ کس طرح میری ایک کے بجائے دو دکانیں، دو فیکٹریاں، اتنی زمین کے بجائے ڈیڑھی، دوگنی زمین میں کس طرح بنالوں؟ بس! پیسوں کو حاصل کرنے کے چکر میں ایسا لگا رہتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو بھول جاتا ہے۔ اپنی راحت اور آرام کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ کس کے لیے؟ مال کے لیے۔ حالاں کہ یہ مال تو اس لیے پیدا کیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے انسان کی ضرورتیں پوری ہوں، اس کو راحت ملے، اس کو لذت حاصل ہو، سکون ملے۔ اس کے بجائے اپنی راحت ولذت اور سکون کو مال پر قربان کر دیتا ہے۔ عام طور پر جو لوگ مال کی محبت میں گرفتار ہوتے ہیں ان کا یہی حال ہوتا ہے۔

وہ مال کس کام کا......؟؟؟:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے متعلق مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک صاحب والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، بڑے مالدار تھے، دنیا کے مختلف ملکوں میں ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا۔ ان کے کئی بیٹے تھے اور اپنا کاروبار چلانے

کے لیے بیٹوں کو مختلف ملکوں میں لگا رکھا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحبؒ نے پوچھا کہ تمہارے کتنے بیٹے ہیں؟ کہا کہ پانچ یا چھ ہیں۔ دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں؟ تو کہا کہ ایک سنگاپور میں، ایک ہانگ کانگ میں، ایک لندن میں، ایک فلاں ملک میں، ایک فلاں ملک میں ہے۔ مفتی صاحبؒ نے پوچھا کہ ان سے آپ کی ملاقات کب ہوتی ہے؟ یا کب ہوئی تھی؟ تو کہا کہ دوسال پہلے ہوئی تھی۔ پھر پوچھا: سال بھر میں کتنی مرتبہ ہوتی ہے؟ تو کہا کہ وہ اپنے کاروبار میں مشغول ہیں۔ بھلا وہ مال کس کام کا، جو آدمی کو اپنی اولاد سے دور کردے؟؟ اپنے گھر والوں سے دور کردے، اپنی لذت اور راحت کو اپنے اوپر قربان کرادے۔ وہ مال خادم کہاں رہا؟ وہ خادم نہیں؛ بلکہ مخدوم بن گیا۔ بھلا اس مال سے کیا فائدہ؟ جس کی وجہ سے آدمی اپنی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر ٹھنڈک حاصل نہ کرسکے۔

......تو معاملہ الٹ جائے گا:

یہ حال اس لیے ہوا کہ جب آدمی مال کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے، تو اپنی زندگی کا مقصود اسی کو سمجھتا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ میرے پاس موجود پیسوں سے مجھے سکون اور راحت ملتی ہے یا نہیں؟ اس مال کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ذریعہ بنایا ہے، مقصود نہیں ہے۔ یہ تو دوسرے اچھے مقاصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جب تک آپ اس کو ذریعے کے طور پر استعمال کریں گے، تب تک آپ کے کام کا ہے، اور اگر اسی کو مقصود بنالیا، مخدوم بنالیا، تو پھر معاملہ الٹ جائے گا۔ آپ اس کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے والے بن جائیں گے۔

قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ مدثر میں ایک کافر کا تذکرہ کیا ہے، اور

اپنی نعمتوں کو بیان کیا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے اس کو فلاں فلاں نعمتیں دیں، ان میں سے ایک ہے: وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا (المدثر:۱۳) (ہم نے بیٹے دیے جو اس کے سامنے موجود ہیں) ماں باپ اولاد کو اپنے سامنے کو دیکھ کر، ان کی خدمتوں، ان کے اعمال خیر سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں، تب تو وہ ان کے حق میں نعمت ہے۔ ورنہ اولاد میں سے کوئی نیویارک ہے، کوئی لندن ہے، کوئی پیرس ہے، وہاں ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں کما بھی رہے ہیں، تب بھی کیا حاصل؟ دولت کا مقصد تو حاصل نہ ہوا، یہ تو آدمی نے اپنے آپ کو اس پر فنا کردیا، وہ مال کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔ اگر مال کی محبت میں گرفتار نہ ہوتا اور اس کو جو درجہ اور حیثیت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس پر باقی رکھتا، تو یہ نوبت پیش نہ آتی۔

دگر بانگ دارد کہ ہل من مزید:

جب ایک مرتبہ مال کی محبت اور طلب پیدا ہوگئی، هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (ق:۳۰) کہ میں زیادہ سے زیادہ اپنے مال کو بڑھاؤں، تو زندگی بھر آدمی کو کبھی چین اور سکون نہیں آسکتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لو كان لابن أدم واد من ذهب لابتغى أن يكون له واديان ولو كان له واديان لابتغى أن يكون له ثلاث ولا يملأ جوف ابن ادم إلا التراب. (اگر کسی انسان کے پاس سونے کی ایک وادی - دو پہاڑوں کے درمیان کی ہموار جگہ، جس کو گجراتی میں ખીણ کہا جاتا ہے، وہ بہت بڑا خلا ہوتا ہے، معمولی سی جگہ نہیں ہوتی - بھری ہوئی ہے تو بھی وہ چاہے گا کہ میرے پاس دو وادی ہو جائیں، اور دو وادی ہوں تو وہ تمنا کرے گا کہ میرے پاس تین ہو جائیں، انسان کا پیٹ قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے)۔[۱]

([۱]) مسند أحمد: ۱۷۷۶۳ والأدب المفرد: ۲۹۹ والصحيح ابن حبان: ۳۲۱۰.

زنورِ قناعت برافروز جاں:

دنیا میں رہتے ہوئے اس کے پیٹ کو بھرنے والی ایک ہی چیز ہے: قناعت۔ آدمی قناعت اختیار کر لے، اس پر نبی کریم ﷺ کی دعاء ہے: اللهم قنعني بما رزقتني وبارك لي فيه.... (اے اللہ! آپ نے جو روزی مجھے دی اس پر مجھے قناعت عطا فرمایئے، اور میرے لیے اس میں برکت عطا فرمایئے......)[۱] یعنی آدمی یوں سوچ لے کہ میں نے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اپنے مقدور بھر، جتنی کوشش کرنی چاہیے تھی کر لی، اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے فیصلہ ہو چکا ہے۔ ویسے بھی آپ کتنے بھی ہاتھ پیر ماریں اس میں کوئی اضافہ ہونے والا نہیں ہے، لہٰذا اسی پر راضی رہ کر اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت کی دعا کر لیجیے: اے اللہ! آپ نے مجھے جو روزی دی ہے اس میں برکت عطا فرما دیجیے، مجھے اس پر قناعت عطا فرما دیجیے۔ اگر اللہ تعالیٰ قناعت کی صفت عطا فرما دیں اور اللہ کی دی ہوئی روزی میں ہمیں برکت مل جائے تو ہمارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ برکت کی دعا کی ضرورت ہے، کثرت کی نہیں۔

رضا بر قضاء:

حاصل یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اگر آپ مال کے ذریعے اپنا پیٹ بھرنا چاہیں گے تو نہیں بھر سکیں گے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ انسان کے پیٹ کو تو قبر کی مٹی ہی بھرے گی۔ ہاں! آپ قناعت اختیار کر لیں، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور فیصلے سے جو کچھ عطا فرمایا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ برکت ڈال دے، تو اس سے آپ کے مسائل حل ہو

---

(۱) مسند أحمد: ۱۷۷۶۳ و الأدب المفرد: ۲۹۹ و الصحيح ابن حبان: ۳۲۱۰.

جائیں گے۔ الغرض! جو آدمی یوں سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی اسباب و وسائل بنائے ہیں، منجملہ ان کے مال بھی ہے، یہ اللہ نے میری ضرورت کے لیے پیدا فرمایا ہے، میرا خادم بنا کر پیدا فرمایا ہے، اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کو پورا کرنے کے لیے، اپنی عبادت و اطاعت کے لیے پیدا فرمایا ہے، تو اس صورت میں اس کا مسئلہ آسان ہو جائے گا۔

بشارت سنا دیجیے……:

ورنہ یہی مال کی کثرت قیامت کے روز انسان کے لیے عذاب بن جاتی ہے۔ قرآن کریم میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ. یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (التوبة:۳۴-۳۵) (جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو اے نبی! آپ ان کو بشارت سنا دیجیے دردناک عذاب کی۔ سونے چاندی کی تختیوں کو جہنم میں تپا کر ان کی پیشانی، ان کے پہلو، ان کی پشت کو داغا جائے گا۔ اور کہا جائے گا: جو تم مال جمع کرتے ہو اس کا مزہ چکھو) لہٰذا اگر مال جمع کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں جو احکام اور حقوق بتلائے ہیں، ان کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔

سب کی نیت کریں……:

اور صرف زکوۃ کی ادائیگی نہیں؛ بلکہ حدیث پاک میں آتا ہے: إن في المال حقاً

سوی الزکوۃ. (مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی حقوق ہیں)[۱] آپ کا حق ہے، آپ کے بال بچوں کا حق ہے، آپ کے گھر والوں کا حق ہے، آپ کے ماں باپ کا حق ہے، آپ کے رشتہ داروں کا حق ہے، غریبوں اور محتاجوں کا حق ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، وہ آپ اکیلے کے لیے ہے؛ بلکہ ویسے بھی ایک مؤمن کو چاہیے کہ کمانے میں نیت سب کی کر لے۔ اور اس کی کمائی کے ذریعے سے اللہ کے جتنے بھی بندوں کی ضرورتیں پوری ہوں گی وہ سب ثواب اس کو ملتا رہے گا۔ ہمارے مال میں بیوی بچوں، بھائی بہنوں، ماں باپ، رشتہ داروں، پڑوسیوں، غرباء اور مساکین وغیرہ کا حصہ ہے۔ اور باقاعدہ ان مالی حقوق کو ادا کرنے کا اہتمام بھی کیا جائے۔ آدمی کتنا بھی مال کما لے اس کے ساتھ نہیں جائے گا، ساری دنیا بھی جمع کر لے تو بھی سارا یہیں چھوڑ کر جانا ہے۔

تین چیزیں:

حدیث پاک میں آتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں:

(۱) ایک تو اس کے رشتہ دار، جو جنازہ لے کر جاتے ہیں۔

(۲) دوسرا اس کا مال، یعنی کفن، جنازہ کی چارپائی، اور دوسری کچھ چیزیں۔ زمانۂ جاہلیت میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ آدمی کے دفن کے وقت اس کا سارا مال بھی ساتھ لے جاتے تھے، اور دفن کرنے کے بعد واپس لاتے تھے۔

(۳) تیسری چیز اس کے اعمال ہیں۔

---

(۱)سنن الترمذي:۶۶۰ وسنن الدارقطني:۲۰۱۶.

پھر فرمایا: دو چیزیں تو واپس آجائیں گی، لیکن اعمال اس کے ساتھ رہیں گے۔[1]

یہ خرابی کی چیز ہے:

حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی نے اس مال کے لیے اپنے اعمال اور دین کو خراب کیا ہے، یعنی رشوت کے ذریعے، لوگوں کو دھوکا دے کر، چوری کرکے، سود کے ذریعے حاصل کیا، تو ساری بداعمالیاں اس کے ساتھ جائیں گی اور یہ مال دنیا میں رہ جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ مال کو اللہ نے جو درجہ دیا ہے، آدمی اسی درجہ میں رکھے۔ اور وہ درجہ کیا ہے؟ اس کی محبت کو اپنے دل میں گھسنے نہ دے۔ یہ خرابی کی چیز ہے، اسی کو اس آیت میں بتلایا گیا: وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (مال کی محبت میں وہ بہت آگے بڑھا ہوا ہے) مال ضرور کمایئے، استعمال بھی کیجیے، خرچ بھی کیجیے؛ لیکن اس کی محبت کو اپنے دل میں جگہ نہ دیجیے۔ جہاں اس کی محبت دل میں آئے گی، وہیں سے ساری خرابیاں آئیں گی۔ پھر آدمی مال حاصل کرنے کے غلط طریقے اپناتا ہے، اپنے دین کو قربان کرتا ہے۔ اسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (وہ مال کی محبت میں بہت آگے بڑھا ہوا ہے)۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مال کے سلسلے میں اسی طریقے کا اہتمام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

---

[1] مسند أحمد: ۱۲۰۸۰ وصحیح البخاري: ۶۵۱۴ وصحیح مسلم: ۵/ ۲۹۶۰ وسنن الترمذي: ۲۳۷۹ وسنن النسائي: ۱۹۳۷ وغیرها.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ عادیات

(قسط-٦)

(مؤرخہ:۱۸/جمادی الاخریٰ، ۱۴۴۰ھ-مطابق: ۲۳/فروری ۲۰۱۹ء، شب یک شنبہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

أما بعد! فأعوذبالله من الشيطٰن الرجيم ط بسم الله الرحمٰن الرحيم ط

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

دوخرابیاں:

یہ سورۂ عادیات ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کی دوخرابیوں اور کمزوریوں کی طرف نشان دہی فرمائی ہے:

(ا) ایک تو یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے، جس کی تفصیل آ چکی ہے۔

دوسری خرابی یہ ہے: وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ (اور حقیقت یہ ہے کہ وہ مال کی محبت میں بڑا اپکا ہے)۔

ترجمہ:

آ گے ہے اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ (بھلا کیا اس کو معلوم نہیں جب قبروں میں جو کچھ ہے اسے باہر بکھیر دیا جائے گا)۔

وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ (اور سینوں میں جو کچھ ہے اس کو ظاہر کر دیا جائے گا)۔

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ (بے شک ان کا پروردگار اس دن ان کی حالت سے پوری طرح باخبر ہے)۔

مال خیر؛ کیسے......؟؟؟

اللہ تعالیٰ نے مال کو لفظ خیر سے تعبیر فرمایا ہے۔ خیر عربی زبان میں بھلائی کو کہتے ہیں۔ گویا اس تعبیر کو اختیار کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مال اپنی ذات کے اعتبار سے تو اچھی چیز ہے۔ انسان کی ساری ضرورتیں اسی پر موقوف ہیں۔ جیسے کشتی کے لیے پانی ضروری ہوتا ہے، اس کے بغیر وہ چل نہیں سکتی۔ اسی طرح انسان کی ضرورتوں کا پورا ہونا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسباب کے درجہ میں مال پر موقوف رکھا ہے۔ اگر مال نہیں ہے تو وہ کیا کھائے گا؟ کیا پہنے گا؟ کہاں رہے گا؟ کہاں سے اپنی ضرورتیں پوری کرے گا؟ اس معنی کر کے مال اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، جس کے ذریعے انسان اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے، اور زندگی گزارنے میں مدد حاصل کرتا ہے، اس معنی کر کے مال ایک اچھی چیز ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اپنی ذات کے اعتبار سے اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔

اصل خرابی......!!!:

اگر خرابی اور برائی ہے تو کس میں ہے؟ اس مال کی محبت انسان کے دل میں پیوست ہوجائے، انسان کے اوپر غالب آجائے، اس کو اپنا غلام بنالے۔ اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ مال اللہ تعالیٰ نے میری ضرورت کو پورا کرنے اور میری خدمت کے لیے پیدا کیا ہے؛ بلکہ مال کی محبت میں اس کو خادم کے طور پر استعمال کرنے کے بہ جائے اپنا مخدوم بنا کر خود ہی اس مال کی خدمت میں لگ جاتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے تگ و دَو کرتا ہے، دوڑ دھوپ کرتا ہے، مارا مارا پھرتا ہے، اپنی ذات کو بھی بھول جاتا ہے۔ بس اسی مال کی محبت میں وہ ایسا مست و مغلوب ہوجاتا ہے، کہ وہ اپنی حقیقت بھول جاتا ہے۔ تو اس مال کی محبت کا انسان کے دل میں پیوست ہونا، یہ ہے اصل خرابی کی چیز!!!

الضرورة تتقدر بقدر الضرورة:

مال تو اللہ کی ایک نعمت ہے۔ انسان کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے؛ لیکن جب تک انسان اس کو اپنی ضرورت کی حد تک حاصل کرے، تب تک خیر ہے۔ فقہاء کے یہاں ایک جملہ استعمال کیا جاتا ہے: الضروۃ تتقدر بقدر الضرورۃ (جو

کام ضرورت کے پیش نظر انجام دیا جاتا ہے، وہ ضرورت کی حد تک ہی رہتا ہے) اس کو اس سے آگے نہیں بڑھایا جاتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضرورتوں کے لیے مال کو پیدا فرمایا ہے، تو انسان کو بھی چاہیے کہ اس کو ضرورت کے مطابق حاصل کرے، اور ضرورت کے مطابق اس کو استعمال کرے۔

کہ شوریدہ احوال وسرگشتہ:

اس کی محبت میں اتنا آگے نہ بڑھ جائے کہ وہ اپنی ذات کو بھول جائے، اپنے مقصد زندگی کو فراموش کر دے۔ میں کیوں پیدا کیا گیا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے کس کام کے لیے دنیا میں بھیجا ہے؟ وہ سب بھول بھال کر مال کے حاصل کرنے میں ایسا لگ جائے کہ اپنے آپ کو اسی میں لگا کر اپنا آرام، سکون، راحت، سکھ چین سب مال پر قربان کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مال کی یہی محبت آدمی کے لیے مہلک بن جاتی ہے۔

ایں جہاں راچوں زنے داں خوبروی:

البتہ ایک بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال و دولت میں ایک کشش رکھی ہے۔ قرآن میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے چند چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔ چناں چہ قرآن پاک میں سورۂ آل عمران میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران: ۱۴) (اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان چیزوں کی محبت لوگوں کے لیے خوش نما بنا دی ہے، جو چیزیں انسان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہیں، یعنی عورتیں، بیٹے، سونے اور چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے

گھوڑے، چوپائے اور کھیتیاں ۔ یہ سب دنیوی زندگی کا سامان ہے (لیکن) ابدی انجام کا حسن تو صرف اللہ کے پاس ہے) - جو گھوڑے عمدہ ہوتے تھے ان پر اہل عرب خصوصی نشان لگاتے تھے،ان کی جگہ آج کل کاروں نے لے لی ہے،اس زمانے میں گھوڑے سواری کے کام آتے تھے،اِس زمانہ میں اونچی اونچی کاریں ہیں،ان کی محبت دل میں بھری ہوئی ہے- چوپائے،مویشی اور کھیتیاں۔

دنیا امتحان گاہ ہے:

اگر آپ انسان کی زندگی کا معاینہ کریں،تو کہیں نہ کہیں یہ چیز نظر آئے گی۔ دیہات کے لوگوں کے دلوں میں کھیتی اور جانوروں کی محبت ہے۔شہر والوں کو کاروں اور فیکٹریوں سے محبت ہے۔ رہی عورتیں،سونے چاندی کے ڈھیر اور مال کی محبت؛ تو وہ کسی دیہات اور شہر کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ ہر ایک دل میں اس کی محبت بھری ہوئی ہے۔ یہ سب قدرت نے آزمائش کے لیے کیا ہے۔ ویسے بھی انسان کو دنیا میں آزمائش اور امتحان کے لیے بھیجا ہے۔تو اب اسی آزمائش کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ان چند چیزوں کی محبت اور رغبت انسان کے دلوں میں ڈالی گئی،اور ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مزین کر دیا۔

حضرت عمرؓ کی دعا:

چناں چہ حضرت عمرؓ کے سلسلے میں منقول ہے کہ آپؓ کے دور خلافت میں کوئی علاقہ فتح ہوا، اور وہاں سے سونے، چاندی، زیورات اور برتن مال غنیمت کے طور پر آئے- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانہ میں جو مال غنیمت آتا تھا، مسجد نبوی کے صحن میں اس کا ڈھیر لگا دیا جاتا تھا۔اور وہیں سے اس مال کو لوگوں کے درمیان تقسیم

کیا جاتا تھا- چناں چہ مسجد نبوی کے صحن میں اس مال کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ حضرت عمر جب مسجد میں تشریف لائے اور مال دیکھا تو حضرت عمرؓ نے ایک دعاء کی- حضرت عمرؓ کے حالات میں اور بہت سی کتب تفسیر میں، جہاں آثار صحابہؓ اور تابعین بیان کیے گئے ہیں وہاں اس قصے کو ذکر کیا گیا ہے- اللهم إنك ذكرتَ هذا المال فقلتَ: زين للناس حب الشهوت من النساء والبنين والقناطير المقنطرة. (اے اللہ! اس مال دولت کا اپنی کتاب، قرآن میں آپ نے تذکرہ کیا، اور آپ نے فرمایا: مزین کر دیا گیا ہے لوگوں کے لیے پسندیدہ اور محبوب چیزوں کی محبت، عورتوں میں سے اور بیٹوں میں سے اور سونے چاندی کے ڈھیر، اور نشان لگے ہوئے گھوڑے وغیرہ)۔

ہمارے بس میں نہیں......:

اور آپ ہی نے قرآن میں دوسری جگہ فرمایا: لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ (الحدید: ۲۳) (تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس پر تم افسوس نہ کرو اور جو چیز اللہ تعالیٰ تم کو دے اس پر تم اتراؤ نہیں) تو اب جب آپ نے خود فرما دیا کہ لوگوں کے لیے یہ چیزیں مزین کر دی گئیں، اور ان چیزوں کے ملنے پر لوگوں میں اتراہٹ اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔ تو إنا لا نستطيع إلا أن نفرح بما زينت لنا (اے اللہ! اب ہمارے بس میں نہیں ہے کہ آپ نے جس چیز کو ہمارے لیے مزین کر دیا اس کو دیکھ کر ہمیں خوشی نہ ہو) آپ نے تو اس کو بنایا ہی ہے ایسا کہ اس کو دیکھ کر آدمی للچاتا ہے، خوش ہوتا ہے۔ لہٰذا اللهم إني أسألك أن ننفقه في حقه وأعوذ بك من شره. (اے اللہ! میں آپ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ ہم اس مال و دولت کو، تو نے جہاں حکم دیا ہے، وہاں خرچ کریں اور اس

کے شر سے تو ہماری حفاظت فرما)[1] گویا یہ تو ناممکن ہے کہ آدمی ان چیزوں سے خوش نہ ہو۔ میرے دل میں بھی اس کی طرف میلان ہے۔

یہ تو ہو ہی نہیں سکتا……:

کوئی بڑے سے بڑا کیوں نہ ہو، انسان کے مزاج اور طبیعت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان چیزوں کی محبت ڈالی ہے، اس لیے اس کی طرف طبیعت کا میلان تو ہوگا، لیکن ہم آپ سے اتنا ہی سوال کرتے ہیں کہ ان چیزوں کی محبت دلوں میں قدرتی طور پر ہے، تو ہماری مدد فرما کہ ان چیزوں کی وجہ سے ہم تیرے کسی حکم کو نہ توڑیں۔ ان کو حاصل کرنے کے لیے تو نے جو حدود قائم کی ہیں، ان سے ہٹ کر غلط طریقے سے اس مال کو حاصل نہ کریں۔ ان کو خرچ کرنے کے لیے تو نے جو طریقے اور اصول وضوابط بتلائے ہیں، ان سے ہٹ کر ہم مال خرچ نہ کریں۔ گویا یہ مال ہمارے لیے تیری حکم عدولی کا، تیرے احکام کو توڑنے کا سبب نہ بنے۔ حاصل کریں تو بھی تیرے حکم کے مطابق، اور خرچ کریں تو بھی تیرے حکم کے مطابق۔ گویا یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی طرف طبیعت کا میلان نہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ یہ چیزیں، مال واولاد، عورتیں اور سونے چاندی کے ڈھیر ہمارے لیے ہلاکت اور تباہی کا سبب نہ بنیں۔

کہ دولت بہ طاعت تواں یافتن:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں مال کی طرف قدرتی طور پر کشش رکھی ہے؛ لیکن

---

(۱) الزهد لأبي داود ص: ۸۲ (۷۱) (ط: دار المشكاة، حلوان).

ہمیں یہ احتیاط کرنا ہے کہ مال ہمارے لیے اللہ کے احکام کو توڑنے کا ذریعہ نہ بنے۔ ہم کون سے طریقے سے حاصل کر رہے ہیں؟ حلال اور جائز طریقے سے حاصل کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے مال حاصل کرنے کا جو طریقہ بتلایا ہے، ان طریقوں اور اصولوں کو سامنے رکھ کر اور برت کر کے حاصل کر رہے ہیں؟ یا پھر ناجائز اور حرام طریقے سے؟ اللہ نے مال حاصل کرنے کے لیے جو احکام دیے ان کو توڑ کر؟ مطلب یہ ہے کہ آدمی مال کو حاصل تو کرے؛ کیوں کہ ضرورت کی چیز ہے، اس کے بغیر کام نکلتا نہیں ہے۔ لیکن اس کے حاصل کرنے اور استعمال کرنے میں اللہ کی نافرمانی کا صدور نہ ہو، ورنہ تو یہ مال بجائے نعمت اور خیر کے عذاب بن جائے گا۔

وہ مال خیر نہیں......:

چناں چہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بتلایا ہے کہ مال کی محبت جب اپنی حدود سے آگے بڑھ جاتی ہے، شریعت کی طرف سے اس کے لیے جو بارڈر مقرر کی گئی ہے، اسے کراس کر جاتی ہے، تو پھر آدمی کے لیے بجائے نعمت کے مصیبت بن جاتا ہے، بجائے خیر کے شر بن جاتا ہے، بجائے راحت وسکون اور چین وآرام کے مصیبت اور عذاب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منافقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا: فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ (التوبة:۵۵) (اے نبی! ان کافروں، مشرکوں اور منافقین کا مال اور ان کی اولادیں تم کو تعجب میں نہ ڈالیں، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اسی مال اور اولاد کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دیں، اور ان کی جانیں دنیا سے جاتے

ہوئے ایسی حالت میں نکلیں کہ وہ اللہ کا انکار کرنے والے ہوں) یہ تعجب نہ ہو کہ ان کے پاس اتنا سارا مال اور اولادیں کہاں سے آئیں؟ یہ تو دنیا سے ایمان سے محرومی کی حالت میں جائیں گے۔لہٰذا جو مال اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کرے، وہ خیر نہیں ؛ بلکہ شر ہے، نعمت نہیں ؛ بلکہ مصیبت ہے۔راحت نہیں ؛ بلکہ عذاب ہے۔مال بھی کبھی عذاب کی شکل اختیار کرتا ہے۔

مال عذاب بنا ہوا ہے:

دیکھو! دنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے پاس مال کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ان کے پاس مال و جائیداد اور املاک کی اتنی بڑی مقدار ہے، کہ ان کو خود معلوم نہیں کہ ہماری ملکیت میں کتنا مال ہے؟ لوگ ان کی اس مال کی زیادتی پر رشک اور تعجب کرتے ہیں، کہ ان کے پاس اتنا زیادہ مال ہے!!! لیکن ان لوگوں کے لیے وہ مال مصیبت بنا ہوا ہے۔اسی کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں کہ زمین کے بہت بڑے حصے پر کسی نے قبضہ کر رکھا ہے۔اب اس فکر میں ہیں کہ اس کو کیسے چھڑایا جائے؟ کیس لڑ رہے ہیں، نچلی کورٹ میں، ہائی کورٹ میں، پھر سپریم کورٹ میں، ہزاروں، لاکھوں روپے خرچ بھی ہو رہے ہیں، راتوں کی نیند بھی غائب ہے۔اسی طرح کسی فیکٹری میں نقصان ہو رہا ہے، اس کی وجہ سے چین وسکون چھنا ہوا ہے۔فیکٹری والے نقصان برداشت نہیں کر سکتے۔جب تک چلتی رہے تب تک کام کی ہے، اس سے فائدہ حاصل ہوسکتا ہے ؛ اور اگر نقصان میں جا رہی ہے تو وہ دردِ سر ہے، راتوں کی نیند خراب کر دیتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس سب کچھ ہے، لوگ ان کے پاس چیزیں دیکھ کر ان پر رشک کرتے ہیں ؛ لیکن ان کو دولت، جائیداد، کارخانوں، فیکٹریوں اور کاروبار کی وجہ سے نہ دن میں سکون، راحت اور چین ہے، نہ رات میں نیند آرہی ہے۔تو مال

ان کے لیے عذاب بن گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعے ان کو عذاب دے رہے ہیں۔ اس کی زندگی بجائے سکون کے، بے چینی اور اضطراب کی حالت میں گذر رہی ہے۔

دلا گر قناعت بدست آوری:

اس لیے مال تھوڑا ہو؛ لیکن باعث سکون ہو۔ جیسا کہ گذر چکا: اللهم قنعني بما رزقتني وبارك لي فيه. (اے اللہ! تو مجھے روزی میں قناعت عطا فرما، اور اس میں برکت عطا فرما)۔ تیری دی ہوئی اس روزی پر میں دل سے راضی رہوں، دل میں زیادہ کی طلب نہ ہو، حرص، لالچ، بے چینی نہ ہو کہ اتنا ہی کیوں مل رہا ہے؟ بلکہ تیری طرف سے مجھ کو جو مل رہا ہے اس پر میرا دل راضی ہو۔ اور میرے لیے اس میں برکت دے دے۔ یعنی ایسا بنا دے کہ اس سے میری ساری ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ اگر ایسا مال ہے؛ تو آدمی کے لیے نعمت ہے۔ اس کے لیے سکون اور چین کا ذریعہ ہے۔ دنیا اور آخرت میں بھی وہی مال آدمی کے لیے خوش گواری کا سبب ہوتا ہے، جس پر آدمی کو قناعت حاصل ہو رہی ہو، اس کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہوں، چین حاصل ہو۔ جو مال بے چینی کا، بے اطمینانی واضطراب کا سبب بنتا ہے، دنیا اور آخرت میں وہ مال انسان کے حق میں عذاب کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مشرکین اور منافقین کے لیے فرمایا کہ ان کے مال کو دیکھ کر تعجب میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ اسی مال اور اولاد کو ان کے لیے عذاب بنائے ہوئے ہیں۔

بر تو بادا اے عزیز!:

ایک مؤمن کو چاہیے کہ اس کی حالت اُن مشرکین اور منافقین جیسی نہ ہو؛ بلکہ اس

کے حق میں مال واولاد سکون اور چین کا ذریعہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ مال ہے ضرورت کی چیز؛ لیکن اس کی محبت اس کے دل میں گھر نہیں کرنی چاہیے۔ جہاں دل میں محبت آ گئی تو پھر مال خادم نہیں رہے گا؛ بلکہ مخدوم بن جائے گا، اور آدمی کے لیے چین وسکون کا ذریعہ نہیں رہے گا؛ بلکہ بے چینی اور بے اطمینانی کا ذریعہ بنے گا، آدمی کے لیے خیر نہیں؛ بلکہ شر اور عذاب بن جائے گا۔

یہیں چھوڑ کر جانا پڑے گا:

اللہ تعالیٰ بتلا رہے ہیں کہ انسان کی یہ دو کمزوریاں (وہ اپنے رب کا ناشکرا ہے اور مال کی محبت میں پکا ہے) اللہ تعالیٰ نے بتلائی ہیں، ان سے نجات پانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کی دوا کیا ہے؟ وہ دوا آگے بتلا دی: اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ (کیا اس کو معلوم نہیں کہ جب قبروں میں جو کچھ بھی ہے وہ باہر نکال کر پھیلا دیا جائے گا) یعنی وہ انسان جو مال کی محبت میں گرفتار ہو کر اسی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر رہا ہے، اس کو سوچنا چاہیے کہ آخر اس دنیا سے اس کو ایک دن جانا ہے۔ چاہے کتنا ہی مال کیوں نہ کما لیا ہو، مالوں کے ڈھیر حاصل کر لیے ہوں، تب بھی وہ مال ساتھ لے کر نہیں جائے گا، یہاں چھوڑ کر جانا پڑے گا۔

کچھ نہ کام آئے گا سرمایہ تیرا:

اگلی مجلس میں ایک حدیث آپ کو بتلائی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب آدمی کا جنازہ اٹھتا ہے تو آدمی کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں: (۱) ایک تو جنازہ کو لے کر جانے والے اس کے اعزاء واقارب، اہل وعیال بیٹے وغیرہ۔ (۲) کچھ مال بھی جاتا ہے،

جیسے جنازہ کی چارپائی، چادر کچھ اور چیزیں بھی ہوتی ہیں۔ اور (۳) تیسرے اس کے اعمال۔[۱] اس کو بتلایا جارہا ہے کہ دیکھو! جب موت آئے گی تو یہ ساری دولت جس کے لیے آپ نے اپنا سب کچھ چھوڑا تھا، وہ یہیں چھوڑ کر جانا پڑے گا۔ اور قبر میں نہ دولت آئے گی، نہ اہل و عیال۔ ہاں! اعمال ساتھ آئیں گے اور کام دیں گے۔

جہنم کا ایندھن......:

اس لیے ضرورت ہے کہ اس دن کو یاد کرو جب اللہ تبارک وتعالیٰ قبر کے مردوں کو زندہ کرکے زمین پر پھیلائیں گے، یعنی قیامت کا دن، دوسرا صور پھونکے جانے کے بعد قبر میں جو کچھ بھی ہے اس کو اللہ تعالیٰ باہر نکال کر زمین پر پھیلا دیں گے۔ سوچو! اس دن یہ دولت جو تم نے جمع کی ہے- حلال وحرام اور جائز وناجائز کی تمیز کیے بغیر- کیا وہ تمہارے کام آئے گی؟ یا تمہارے لیے جہنم کا ایندھن بنے گی؟ یہ تو جہنم کا ایندھن بنے گی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (النساء:۱۰) (جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں، یعنی ناجائز طریقے سے مال حاصل کرتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں)۔ دنیا میں آگ ہونے کا پتا نہیں چلتا، یہی چیز قیامت میں آگ کی شکل اختیار کرلے گی۔ بہرحال! قیامت کے روز سب کو قبروں سے باہر نکالا جائے گا۔

سینوں کے راز کھول دیے جائیں گے:

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ (اور سینوں کے راز کھولے جائیں گے) فاش کیے جائیں گے

---

(۱) مسند أحمد: ۱۲۰۸۰ وصحيح البخاري: ۲۵۱۴ وصحيح مسلم: ۵/۲۹۶۰ وسنن الترمذي: ۲۳۷۹ وسنن النسائي: ۱۹۳۷ وغيرها.

آج تو بہت سے لوگ مال کماتے ہوئے اپنے آپ کو اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یوں کہتے ہیں: میں تو اچھی نیت سے مال کمار ہا ہوں۔ اچھی نیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اب تمہارے دل میں کیا ہے؟ وہ تو کوئی نہیں جانتا۔ لیکن وہی دل کے ارادے، دل کی نیتیں چاہے اچھی ہوں یا بری، قیامت میں ساری دنیا دیکھ لے گی۔ دنیا میں تو ہم لوگوں کو دھوکا دیتے رہتے تھے کہ مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے، نیکی کے کاموں کے لیے کمار ہا ہوں۔ لوگوں کو بھی ایک جھوٹ کہہ رہے تھے، اور اپنے آپ کو بھی دھوکہ دے رہے تھے۔ کل کو قیامت میں دلوں کے سب راز کھول دیے جائیں گے، تو اس وقت لوگوں کو پتا چلے گا کہ یہ جھوٹ بول رہا تھا، اپنے آپ کو بھی دھوکا دے رہا تھا۔

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ (اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے رب کو ہمارے حال کا سب کچھ پتا تھا)۔

ابھی آدمی کو یہ بھول سے بھی خیال نہیں آتا کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ کافروں اور مشرکوں کا تو ایمان بھی نہیں ہے۔ لیکن جو مسلمان غفلت میں پڑے ہیں ان کا ایمان تو ہے؛ لیکن اس کا استحضار نہیں ہے، قیامت کے روز سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ اللہ سب جانتے ہیں۔

سرکاری گواہ:

بلکہ اللہ تعالیٰ کے گواہ، قدرت کے سی آئی ڈی ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں، وہ اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ کان، زبان، ہاتھ، پاؤں جن سے اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے گناہوں کا ارتکاب کیا تھا، یہی اعضاء ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ یہ

ہمارے ساتھ سرکاری گواہ لگے ہوئے ہیں۔ چوبیس گھنٹے سب کچھ دیکھ رہے ہیں ۔ابھی بولتے نہیں ہیں۔کل کو قیامت میں جب اللہ تعالیٰ ان کو بولنے کی طاقت دیں گے اور وہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے،تو اس وقت انسان ان سے کہے گا کہ تم ہمارے خلاف گواہی دیتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اللہ نے ہم کو بولنے کی طاقت دی ہے۔اللہ کا حکم ہے،ہم تو اس سے ہٹ نہیں سکتے ،ہم کو گواہی دینی پڑے گی۔کوئی باہر کا گواہ ہوتو وہاں آدمی یہ الزام بھی لگا سکتا ہے کہ یہ تو میرا دشمن ہے،میرا مخالف ہے اس لیے مجھ کو نقصان پہنچانے کے لیے میرے خلاف گواہی دیتا ہے؛ لیکن یہ تمہارا ہاتھ،تمہارے پاؤں،تمہاری زبان،تمہارا دل یہ تمہارے اپنے اعضاء تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔

سب کھل جائے گا:

آج کل بہت سے آدمی کاروبار میں جو گڑبڑ کرتے ہیں وہ کسی کو نہیں بتاتے،سب کچھ اپنے دل میں چھپا کر رکھتے ہیں۔لیکن قیامت کے روز وہ سب باہر آجائے گا،ساری دنیا دیکھے گی،سب کھل جائے گا،سارے حالات لوگوں کے سامنے آئیں گے۔کوئی راز، راز نہیں رہے گا۔کوئی بھید، بھید نہیں رہے گا۔پھر اس وقت آدمی دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے،اللہ تعالیٰ سے ہم کسی چیز کو چھپا نہیں سکتے۔وہ حساب بھی لے گا،اور تمہارے اعمال کا بدلہ بھی دے گا۔اگر تم نے اچھے کام کیے ہیں تو اس پر تم کو جزاء ملے گی،اچھا بدلہ ملے گا۔اور گناہ کیے ہیں تو سزا ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان چیزوں کے حاصل کرنے اور استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ زلزال

(قسط-۱)

(مؤرخہ: ۲۵/جمادی الاخریٰ، ۱۴۴۰ھ-مطابق: ۳/مارچ ۲۰۱۹ء، شب یک شنبہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى اٰله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

أما بعد! فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم ○ بسم الله الرحمٰن الرحيم ○

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَقَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا ؕ﴿۵﴾ يَوۡمَئِذٍ يَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۙ۬ لِّيُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ ؕ﴿۶﴾ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

پس منظر:

اس سورت کا نام زلزال، یا اذا زلزلت یا زلزلة ہے۔اس میں قیامت کے دن آنے والے ایک سخت بھونچال اور زلزلے کی خبر دی گئی ہے،لہٰذا اس کا نام سورۂ زلزال رکھا گیا ہے۔

مشرکین مکہ قیامت کے متعلق پوچھتے رہتے تھے، کیوں کہ وہ قیامت کا انکار کرتے تھے، مانتے نہیں تھے۔ان کے اس سوال کا قرآن میں مختلف جگہوں پر تذکرہ ہے ۔ وہ پوچھتے تھے: مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الملك:۲۵) (قیامت آنے والی ہے یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو) سورۂ قیامہ میں ہے: اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ (القیامة:۶) (قیامت کا دن کب ہوگا؟) مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ (السجدة:۲۸) (یہ فیصلہ کب ہوگا؟) يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا (الاعراف: ۱۸۷، النزعت: ۴۲) (یہ لوگ قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟) تو مشرکین کی طرف سے قیامت کے وقوع کے سلسلے میں موقع بہ موقع مختلف انداز سے سوالات کیے جاتے تھے، اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جواب دیا ہے، لیکن اس جواب میں قیامت کے کچھ حالات بتلائے گئے ہیں۔لیکن اس کی تعیین کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے ساتھ مخصوص رکھا ہے؛ کسی کو معلوم نہیں ۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی معلوم نہیں ۔

علمی جواب:

حدیث کی کتابوں میں ایک حدیث ہے، جس کو ’’حدیث جبریل‘‘ کہتے ہیں ۔جس میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے قبل ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام

غیر معروف انسانی شکل میں تشریف لائے، عام طور پر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کی شکل میں تشریف لاتے تھے- یہ ایک بڑے حسین وجمیل صحابی تھے- لیکن اس روز ان کی شکل میں نہیں؛ بلکہ ایک اوراجنبی شکل میں آئے اور نبی کریم ﷺ سے مختلف سوالات کیے: اسلام کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟ ان ہی سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ما المسؤول عنها بأعلم من السائل. (جس سے سوال کیا گیا ہے (آپ ﷺ) وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا ہے)۔[1]

اپنا جواب بھول گئے؟:

یہاں ایک لطیفہ اورنکتہ ہے کہ آپ ﷺ یوں بھی جواب دے سکتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کہ کون سے دن اور تاریخ میں قیامت آنے والی ہے۔ لیکن جواب کا دوسرا انداز اختیار کرنے کے سلسلے میں شارحینِ حدیث نے دو باتیں لکھی ہیں:

(۱) ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ نے حضرت جبریلؑ سے پوچھا تھا کہ قیامت کب آنے والی ہے؟ تو حضرت جبریلؑ نے اسی جملے اور ان ہی الفاظ میں ان کو جواب دیا تھا: ما المسؤول عنها بأعلم من السائل. (جس سے سوال کیا جارہا ہے وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا)[2] گویا حضور ﷺ حضرت جبریلؑ کو تنبیہ کرنا چاہتے تھے کہ اپنا جواب بھول گئے کیا؟

---

(۱) مسند أحمد: ۱۸۴، ۹۵۰۱ وصحیح البخاري: ۵۰، ۴۷۷۷ وصحیح مسلم: ۱/ ۸، ۵/ ۹، ۷/ ۱۰ وغیرها.

(۲) حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۲/ ۳۵۲) میں نوادر الحمیدی سے اسے نقل کیا ہے۔

جواب بہر حال یہی رہے گا:

(۲) آپ ﷺ نے ایک اصولی جواب دیا کہ قیامت کے متعلق جس سے سوال کیا جا رہا ہے، وہ سوال کرنے والے سے زیادہ جانتا نہیں ہے، یعنی آپ کا یہ سوال ایسا ہے کہ جب بھی یہ سوال کیا جائے گا، اس کا جواب یہی ہوگا۔ کہ پوچھے جانے والے کو پوچھنے والے سے زیادہ اس کا علم نہ ہوگا۔ چاہے پوچھنے والے جبریل ہوں یا کوئی اور یا پوچھے جانے والے حضور ﷺ ہوں یا کوئی اور۔ جواب بہر حال یہی رہے گا۔

شانِ نزول:

تو قیامت کا متعین وقت (تاریخ وسن) کوئی نہیں بتلا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس کی علامتیں اور نشانیاں بتلائی گئی ہیں۔ لہٰذا جب مشرکین کی طرف سے بار بار سوال ہوتے تھے تو اس کے جواب میں قرآن میں مختلف موقعوں پر، مختلف آیتیں اور سورتیں نازل کی گئی ہیں۔ یہ سورت بھی اسی مناسبت سے نازل ہوئی، جس میں قیامت کے کچھ حالات بتلائے گئے ہیں کہ قیامت جب آئے گی تو کیا ہوگا؟ لیکن کون سے دن، تاریخ اور سن میں آئے گی؟ یہ نہیں بتلایا گیا۔

......صبح کا انتظار نہیں فرمایا:

ہاں! اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے کچھ حالات بتلائے، وہ بھونچال اور زلزلہ (ધરતીકંપ) کتنا خطرناک ہوگا؟ یہ بتلایا گیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب

دہلویؒ نے تفسیرِ عزیزی میں کتب تفاسیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ سورت رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تو یہ تھی کہ رات کو اگر کوئی آیت یا چند آیتیں یا کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ رات ہی صحابہؓ کو نہیں بتلاتے تھے، بلکہ دن کا انتظار کرتے۔ جب دن میں صحابہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں آتے، تب آپ ﷺ نئی نازل شدہ آیت یا آیات یا سورت ان کے سامنے پڑھ کر سناتے تھے۔ لیکن جب یہ سورت رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے صبح کا انتظار نہیں فرمایا، اسی وقت گھر سے باہر تشریف لائے اور حضرات صحابہؓ کے سامنے اس سورت کی تلاوت فرمائی۔[۱]

نکاح کر! نکاح کر!:

اس سورت کی فضیلت کے سلسلے میں ترمذی شریف کی روایت ہے: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِهِ: هَلْ تَزَوَّجْتَ يَا فُلاَنُ؟ قَالَ: لاَ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللهِ، وَلاَ عِنْدِي مَا أَتَزَوَّجُ بِهِ، قَالَ: أَلَيْسَ مَعَكَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: ثُلُثُ القُرْآنِ، قَالَ: أَلَيْسَ مَعَكَ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالفَتْحُ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: رُبُعُ القُرْآنِ قَالَ: أَلَيْسَ مَعَكَ قُلْ يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: رُبُعُ القُرْآنِ قَالَ: أَلَيْسَ مَعَكَ إِذَا زُلْزِلَتِ الأَرْضُ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: رُبُعُ القُرْآنِ قَالَ: تَزَوَّجْ تَزَوَّجْ.

(نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ایک آدمی سے پوچھا: اے فلاں! کیا تم نے نکاح کرلیا؟ اس نے عرض کیا: بالکل نہیں یا رسول اللہ! اور میرے پاس شادی کرنے کے لیے کچھ

---

(۱) مسند أحمد: ۱۸۴/۴، ۹۵۰۱ وصحيح البخاري: ۵۰/۴، ۲۲۷ وصحيح مسلم: ۸/۱، ۹/۵، ۱۰/۷ وغيرها.

ہے بھی نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تیرے پاس قل ھو اللہ أحد نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں! فرمایا: وہ ایک تہائی قرآن ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرا سوال کیا: کیا تیرے پاس سورۂ اذا جاء نصر اللہ والفتح نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ سورت قرآن کا ایک چوتھائی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تیرے پاس قل یاایھا الکافرون نہیں ہے؟ اس نے جواب میں کہا: کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تو ایک چوتھائی قرآن ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کیا: کیا سورۂ اذا زلزلت الارض زلزالھا تمھیں یاد نہیں ہے؟ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی ایک چوتھائی قرآن ہے۔ نکاح کرلے، نکاح کرلے)[1] الغرض اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس کو پڑھنے پر ایک چوتھائی قرآن کے برابر ثواب ملتا ہے۔

نصف قرآن کا ثواب:

ترمذی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سورۂ اذا زلزلت الارض زلزالھا نصف قرآن کے برابر ہے، سورۂ قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یا ایھا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔[2]

جامع اور یکتا......:

اس سورت کے آخر میں دو آیتیں ہیں: فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ و

(۱) مسند أحمد: ۱۸۴، ۹۵۰۱ وصحیح البخاري: ۵۰، ۴۷۷۷ وصحیح مسلم: ۱/۸، ۵/۹، ۷/۱۰ وغیرھا.

(۲) سنن الترمذي: ۲۸۹۴.

مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾ یہ اچھوتی اور ایسی جامع آیات ہیں کہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ پوری شریعت مطہرہ کی تعلیمات کا ایک خلاصہ ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: الآية الجامعة الفاذة (ایک جامع اور یکتا آیت ہے)[۱] یعنی ایسی جامع کوئی دوسری آیت قرآن میں نہیں ہے۔ شریعت کی تعلیم یہی تو کہتی ہے کہ اچھا عمل کروگے، تو اچھا بدلہ ملے گا، چاہے چھوٹا سا کیوں نہ ہو۔ اور برا عمل کروگے چاہے وہ چھوٹا سا کیوں نہ ہو، اس کا برا بدلہ ملے گا۔ گویا ان دو آیتوں میں قرآن پاک کی تعلیمات کا خلاصہ آ گیا ہے۔ یہ بھی اس سورت کی ایک خصوصیت ہے۔

سخت بھونچال:

اس سورت میں جس بھونچال کا تذکرہ ہے- جب زمین اپنے بھونچال کے ساتھ جھنجھوڑی جائے گی- وہ قیامت کا زلزلہ ہے۔ دنیا کے زلزلوں کی طرح نہیں ہے، دنیا کے زلزلے ایک- دو یا تین- چار شہروں کو ہلا دیتے ہیں، دوسری جگہ اس کا پتا بھی نہیں چلتا، جب کہ یہ تو اتنا زبردست اور خطرناک زلزلہ ہوگا کہ سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ (الحج: ۱) (اے لوگو! اپنے پروردگار کے غضب سے ڈرو، اور یقین جانو کہ قیامت کا بھونچال بڑی زبردست چیز ہے) اللہ تعالیٰ اس کو بڑی زبردست چیز فرما رہے ہیں۔ اس سے اس کی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري: ۲۳۷۱، ۲۸۶۰، ۳۶۴۶، ۴۹۶۲، ۴۹۶۳، ۷۳۵۶۔

حواس اڑ جائیں گے......:

جب یہ زلزلہ اور بھونچال (بھونچال) آئے گا تو لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ. (الحج:۲) (جس دن تمہیں نظر آئے گا کہ ہر دودھ پلانے والی اس بچے تک کو بھول جائے گی جس کو اس نے دودھ پلایا ہے۔ اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی۔ اور لوگ تمہیں ایسے نظر آئیں گے جیسے نشے میں بدحواس اور بے ہوش ہیں؛ حالاں کہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے؛ بلکہ اللہ کا عذاب بڑا شدید ہوگا)۔ گویا قیامت کا بھونچال ایسا خطرناک ہوگا کہ کوئی اپنے حواس میں باقی نہیں رہے گا، سب کے حواس اڑ جائیں گے۔ سورۂ حج میں جس بھونچال کی تفصیل بیان کی گئی ہے اسی کا یہاں تذکرہ ہے۔

پہلا زلزلہ:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی)

قیامت کے زلزلے سے متعلق روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو زلزلے ہوں گے:

ایک وہ زلزلہ ہے جب حضرت اسرافیلؑ پہلی مرتبہ صور پھونکیں گے، اس وقت ساری چیزیں ختم ہو جائیں گی۔ اور اس صور کی ابتدا آہستہ سے ہوگی، یعنی ایک دم بھیانک آواز نہیں؛ بلکہ دھیرے دھیرے آواز نکلے گی، اور آہستہ آہستہ تیز ہوگی، یہاں تک کہ اس کی آواز سے تمام انسان، جنات، جانور سب مر جائیں گے، اس آواز کی وجہ سے زمین میں ایک زلزلہ آئے گا، جس سے لوگوں کے دل پھٹ جائیں گے، اور تمام ہلاک ہو جائیں گے۔ اِس وقت دنیا کی جو نقل و حرکت اور جو گہما گہمی ہے؛ سب ختم ہو جائے گی۔ اس دنیا کی زندگی ختم ہو جائے گی۔

یہاں تک کہ فرشتے بھی ختم ہوجائیں گے۔ یہ تو پہلے صور کی بات ہے۔

دوسرا زلزلہ:

پھر ایک زمانے تک خاموشی چھائی رہے گی ، کچھ نہیں ہوگا، سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے، اللہ تعالیٰ تنہا رہیں گے۔ پھر دوبارہ اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو زندہ کریں گے، پہلے فرشتوں کو زندہ کریں گے، حضرت اسرافیلؑ دوبارہ صور پھونکیں گے۔ اس مرتبہ بھی زمین میں جو پہلے بھونچال آیا تھا ویسا ہی؛ بلکہ اس سے خطرناک بھونچال آئے گا ، ساری زمین الٹ پلٹ ہوجائے گی، اس میں جو مردے دفن کیے گئے تھے وہ باہر نکل آئیں گے، دفینے اور خزینے، قیمتی معدنیات بھی باہر آجائیں گی۔

اثقالھا سے کیا مراد ہے......؟؟؟

وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا (اورزمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی)

اس کے بوجھ کیا ہیں؟ جب سے کائنات بنی، تب سے لے کر جتنے انسان مرے اورزمین میں دفن کیے گئے وہ سب ۔اورزمین میں جتنے بھی خزانے ہیں سونا، چاندی، تانبا، پیتل، جواہرات ، ہیرے، کانیں اور دولت سب اس کے بوجھ ہیں، وہ باہر نکل آئیں گے، پھر انسان قبر سے زندہ باہر نکلیں گے، اور دوسری زندگی شروع ہوگی ۔فرشتوں کو بھی دوبارہ وجود میں لایا جائے گا۔اسی دوسرے زلزلے کا اس سورت میں بیان ہے۔مفسرین کا راجح قول یہی ہے۔ بڑی محنتوں اور کوششوں سے ان دولتوں کو زمین سے نکالا جاتا ہے؛ لیکن اس دن اس جھنجھوڑنے کی وجہ سے ان ساری چیزوں کے ڈھیر لگ جائیں گے، جن کو حاصل کرنے کے لیے انسان مارا مارا پھرتا ہے، دوڑ بھاگ، محنتیں اور کوششیں کرتا ہے۔

خزانے اگلوانے کا مقصد:

یہ سب اندر سے کیوں باہر نکلوایا جائے گا؟ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ خزانوں کو اگلوانے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ یہی وہ دولت ہے جس کے لیے وہ مارا مارا پھرتا تھا، کسی نے اپنے بھائی کا گلا کاٹا، رشتہ داری ختم کی، جائز و ناجائز کی تمیز نہیں کی، اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے نہ معلوم کیسی کیسی حرکتیں کی تھیں؟ قاتل بھی سوچے گا کہ یہی ہے وہ خزانے ہیں، جن کی خاطر میں نے قتل جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا تھا؟ جن کے لیے میں نے حلال وحرام کا فرق باقی نہیں رکھا تھا۔ اس وقت خزانوں کے ڈھیر پڑے ہوئے ہوں گے؛ لیکن یہ خزانے کسی کام کے نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو کھلی آنکھوں یہ دکھا دیں گے کہ تم جس کے لیے دنیا کی زندگی میں مارے مارے پھرے تھے، لوگوں کے کیا کیا حق مارے تھے، تعلقات توڑے تھے یہ اب کسی کام کے نہیں ہیں۔ یہ ڈھیر پڑے ہیں۔ ہم اپنی دنیا کی زندگی میں انہی کو سب کچھ سمجھتے تھے، گویا یہی ہماری پوری کائنات ہیں، ان کے لیے ہم بڑی محنتیں کرتے تھے، مشقتیں اٹھاتے تھے آج وہ کسی کام کے نہیں۔ ہمیں اُس وقت اللہ کے نبیوں اور مقبول بندوں نے بتلایا تھا، وہ سب انسان کو یاد آئے گا کہ دنیا میں نبوی تعلیمات کے ذریعے ہم کو یہ چیز بتلائی گئی تھی۔

کیا آپ...... کر سکتے ہیں؟؟؟:

ویسے بھی پیسہ اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی فائدہ دینے والا نہیں ہے۔ سونا، چاندی روپے کے نوٹ سے کیا آپ کھا کر اپنی بھوک مٹا سکتے ہیں؟ کیا ان کے ذریعے اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں؟ کیا کوئی آدمی ننگا ہے تو ان کو لباس کے طور پر پہن سکتا ہے؟ یا اگر گھر نہیں ہے، تو

ان نوٹوں کو گھر کے طور پر استعمال کر سکتا ہے؟ نہیں! بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک ذریعہ اور سبب کے طور پر پیدا کیا ہے۔ دنیا میں انسان کی ضرورتیں اس مال کے ذریعے پوری کی جاتی ہیں۔

مال کی کمی؛ خود قاضیِ حاجت نہیں:

مان لیجیے! ایک آدمی جنگل میں ہے، اس کے پاس پورا بیگ ڈالروں سے بھرا ہوا ہے؛ لیکن وہاں کوئی دکان نہیں، کوئی بازار نہیں، کوئی چیز بیچنے والا نہیں، اگر اس کو وہاں بھوک لگی، پیاس لگی تو ان نوٹوں کو کیا کرے گا؟ کھائے گا؟ پیے گا؟ کیا اپنی ضرورت پوری کرے گا؟ نہیں! ان پیسوں سے ذاتی طور پر کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ اس مال میں ایک یہ کمی ہے۔

......پہلے نوٹ لاؤ:

دوسری کمی یہ ہے کہ مال ہاتھ سے نکل کر ضرورت پوری کرتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ جو اکابر تابعین میں سے ہیں، تمام اولیاء اللہ کے سرخیل ہیں، فقہاء میں سے بھی ہیں، اور محدثین میں سے بھی ہیں، فرماتے ہیں: دیکھو! دنیا میں ساتھی وہ ہوتا ہے کہ جب وہ تمہارے ساتھ ہو تو اس سے تم کو فائدہ ہو، مدد ملے۔ لیکن یہ مال ایسا ساتھی ہے جو جائے گا تو تم کو فائدہ پہنچے گا، جیب میں اور ہاتھ میں رہتے ہوئے فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پیسے ہم اپنے پاس ہی رہنے دیں اور یہ سمجھیں کہ میری کھانے، پینے، پہننے اور رہنے کی ضرورت پوری ہو جائے، تو کوئی ایک دانہ بھی آپ کو نہیں دے گا۔ دکان پر جائیں گے تو کہے گا: پہلے نوٹ لاؤ، جیب سے نکال کر مجھے دو۔ تو یہ ایسا ساتھی ہے کہ وہ آپ کا ساتھ چھوڑے گا تب آپ کو فائدہ

ہوگا۔اس کے باقی رہتے ہوئے کوئی فائدہ نہیں، آپ کا کوئی کام نہیں بنا سکتا۔ یہ بھی اس کی ایک کمزوری بیان کی گئی ہے۔

عبرت ناک واقعہ:

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں ایک واقعہ لکھا ہے، پہلے زمانہ میں بینکیں نہیں تھیں، لوگوں کے پاس سونے، چاندی، جواہرات، ہیرے وغیرہ ہوتے، تو وہ عام طور پر اپنے گھروں میں تہہ خانے بناتے تھے، اس میں حفاظت سے رکھتے تھے۔ ایک بہت بڑا مالدار آدمی تھا، اس کے پاس سونے، چاندی، جواہرات اور دراہم ودنانیر کے ڈھیر تھے۔ اس نے ان کو رکھنے کے لیے اپنے مکان میں نیچے تہہ خانہ بنایا تھا، وہ تہہ خانہ ایسا تھا کہ اس کے دروازے پر ایک کَل لگائی تھی، جس کو کھولنے کا طریقہ اسی کو معلوم تھا، کسی اور کو نہیں۔ ایک مرتبہ وہ اپنے اس خزانے کو دیکھنے کے لیے اندر گیا۔ آدمی کے پاس پیسے ہوتے ہیں، تو معلوم ہونے کے باوجود نکال نکال کر گنتا ہے۔ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ. (مال جمع کیا اور گنتا ہے) گننے میں مزہ آتا ہے، جی خوش ہوتا ہے۔ تو وہ بھی اپنے اس تہہ خانے میں گیا، اور دروازہ بند کر کے مال ودولت کے ڈھیر کو گننے میں مشغول ہوا۔ تھوڑی دیر ہوئی تو بھوک لگی، سوچا کہ واپس جاؤں، لیکن دروازے کی کل خراب ہوگئی تھی، دروازہ نہیں کھلا۔ اب وہ اندر چلّاتا بھی ہے تو باہر کس کو پتا کہ وہ اندر گیا ہوا ہے؟ اب دیکھیے! سونے چاندی کے ڈھیر ہیں، دراہم ودنانیر ہیں، جواہرات ہیں؛ لیکن نہ اس کی بھوک مٹی، نہ پیاس مٹی، اسی میں وہ مر گیا۔ یہ بہت عبرت کا قصہ ہے۔ تو یہ مال اپنی ذات کے اعتبار سے ہم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ مگر عجیب اس کی محبت ہے کہ آدمی ہر وقت اسی میں مشغول رہتا ہے۔

بے کاری ظاہر ہو جائے گی:

تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زمین کے خزانوں کو باہر نکال دیں گے۔ سارے ڈھیر پڑے ہوں گے۔ اور حضرت آدمؑ سے لے قیامت تک کے انسان، جنات، جانور سب میدان حشر میں ہوں گے، اور یہ دولت کے ڈھیر بھی ہوں گے؛ لیکن اس وقت آدمی ان کو دیکھ کر محسوس کرے گا کہ کسی کام کے نہیں ہیں۔ گویا اس کا بے کار ہونا اس کی آنکھوں کے سامنے واضح ہو جائے گا۔ اسی کو فرمایا: وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (زمین اپنے بوجھ نکال دے گی) ایک بوجھ تو دفن شدہ مردے ہیں۔ دوسرا بوجھ خزانے، دفینے اور معدنیات ہیں۔

دوسری زندگی:

اب انسانوں کی دوسری زندگی شروع ہو رہی ہے؛ لیکن انسان دیکھ لے گا کہ میری اس دوسری زندگی میں یہ روپے، پیسوں کے ڈھیر کسی کام آنے والے نہیں ہیں، بلکہ نیکی کام آئے گی۔ تو اللہ تعالیٰ ان سب کو نکال کر انسان کی آنکھوں کے سامنے دکھا کر اس بات کا یقین دلا دیں گے کہ واقعۃً دنیا کی زندگی میں جو مجھ سے کہا جاتا تھا کہ یہ کسی کام کا نہیں ہے وہ آج حقیقت میں معلوم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقائق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے ہم اپنی عاقبت اور آخرت کو برباد کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ زلزال

(قسط-۲)

(مؤرخہ: ۲/رجب المرجب، ۱۴۴۰ھ مطابق: ۲/مارچ ۲۰۱۹ء، شب یک شنبہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد! فأعوذبالله من الشيطٰن الرجيم○ بسم الله الرحمٰن الرحيم○

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿١﴾ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿٢﴾ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿٣﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿٤﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿٥﴾ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿٦﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿٧﴾ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿٨﴾

ترجمہ:

یہ سورۂ زلزال ہے جو ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی گئی۔گذشتہ مجلس سے اس سورت کی تشریح کا سلسلہ شروع ہوا تھا،اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت اور حساب و کتاب کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں۔چناں چہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑی جائے گی)

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی)۔

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا (اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوگیا ہے؟)۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا (اس دن زمین اپنی ساری خبریں بتادے گی)۔

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (کیوں کہ تمہارے پروردگار نے اس کو یہی حکم دیا ہوگا)۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ (اس روز لوگ مختلف ٹولیوں میں واپس ہوں گے؛ تاکہ ان کے اعمال انہیں دکھادیے جائیں)۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (چناں چہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی،وہ اسے دیکھے گا)۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی اور بدی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا)۔

یہی وہ بنیاد ہے:

گذشتہ مجلس میں آپ کو بتلایا تھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے حالات کو

بیان کیا ہے، جب اللہ تعالیٰ دوسرے صور کے بعد زمین سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھائیں گے، اور اس وقت زمین پر ایک زلزلہ اور بھونچال طاری ہوگا، لہٰذا ایک طرف تو مردے زندہ ہوکر باہر آجائیں گے اور دوسری طرف زمین کے تمام خزینے، دفینے اور معدنیات وغیرہ سب باہر آجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مردوں کو زندہ کریں گے۔ یہی وہ بنیادی چیز ہے جس کا مشرکین مکہ انکار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے: أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَإِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ. (الواقعۃ: ۴۷) (کیا جب ہمارا وجود ہڈیوں میں تبدیل ہوجائے گا اور ہم مٹی میں مل جائیں گے، تو اس وقت دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے؟) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اس اشکال کا قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے جواب دیا ہے۔

......تو کیا مشکل ہے؟؟؟

دیکھو! پہلے بھی میں بتلا چکا ہوں کہ اس کائنات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کیا، انسان کو پیدا کیا، مشرکین مکہ اس کا تو اقرار کرتے تھے؛ لیکن دوبارہ پیدا کیے جانے کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابتداءً تم کو پانی کے ایک قطرے سے پیدا کیا، پھر جمے ہوئے خون کی شکل دی، پھر اس کو گوشت کے لوتھڑے میں بدلا، پھر اس میں ہڈیاں بنائیں، پھر روح پھونکی، نتیجۃً دنیا میں تمہارا وجود ہوا۔ جب تم بالکل موجود نہیں تھے اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت سے تم کو وجود عطا فرمایا، تو مرنے کے بعد جب تم مٹی میں مل جاؤ گے تب اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے تمہارے اس وجود کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

عام طور پر آدمی جب اپنی عقل سے کوئی بات سوچتا ہے تو وہ یہ سوچتا ہے کہ کسی چیز کو

ازسرنو بنانا تھوڑا مشکل ہے، بہ نسبت اس کے کہ وہ چیز ایک مرتبہ بنانے کے بعد دوسری مرتبہ بنائے۔تو جب تم لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اور پوری کائنات کو بنایا، جب تم اپنے ابتدائی وجود کو اللہ کا بنایا ہوا تسلیم کرتے ہو،تو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کریں گے اس کو ماننے میں کیا اشکال ہے؟ جب کہ دوبارہ کسی چیز کو بنانا عقلاً مشکل ہے،لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے تو سب برابر ہے۔

آسمان کی تخلیق مشکل ہے یا انسان کی؟؟؟:

قرآن میں ایک اور جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا (النّٰزعٰت: ۲۷) (کیا تمہارا پیدا کرنا دشوار ہے، یا اس آسمان کا جو پوری کائنات کو محیط ہے؟) ظاہر ہے انسان کا وجود تو پانچ چھ فٹ کا ہے،اس کے مقابلے میں یہ آسمان جو پوری کائنات کو گھیرے ہوئے ہے۔جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت سے اسے بنایا تو ظاہر ہے کہ آسمان کی تخلیق انسان کی تخلیق کے مقابلے میں مشکل ہے!!! جب اللہ تعالیٰ نے آسمان بنادیا تو تمہارے پانچ چھ فٹ کے وجود کو بنانا کیا دشوار ہے؟ اس میں کیا رکاوٹ پیدا ہو جائے گی؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دوبارہ زندگی عطا فرمانے میں کیا اشکال ہے؟

عالمِ ثانی جزائے این وآں :

اب سوال یہ ہے کہ اللہ دوبارہ زندگی کیوں دیں گے؟ کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ تم کو اپنے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی پوری زندگی نیک کام کرتا ہے،اور بہ ظاہر اس کے حالات کو ہم بغور دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے

ان نیک اعمال کا کوئی بدلہ اس دنیا میں نہیں ملا۔ اس کے برخلاف ایک آدمی ہے، جو ہر وقت ظلم وزیادتی میں مشغول ہے، گناہوں میں لت پت ہے، برائیاں کرتا رہتا ہے، پوری زندگی اسی طرح گزار دیتا ہے، بہ ظاہر ہمیں یہ نظر نہیں آتا کہ اس کو اس کے ان گناہوں کی کوئی سزا دنیوی زندگی میں ملی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ دوسری زندگی اسی لیے عطا فرمائیں گے: لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ تاکہ انہوں نے دنیا میں جو اعمال کیے ہیں- اچھے اعمال کرنے والوں کے اچھے اعمال اور برے اعمال کرنے والوں کے برے اعمال- ان کا بدلہ اور سزا ان کو دی جائے۔ دوسری زندگی دینے کا یہی مقصد ہے۔

چوں شوی بیدار از خواب اے عزیز!:

اگلی مجلس میں بتلا دیا گیا تھا کہ اس دوسرے بھونچال کی وجہ سے ایک طرف تو جو مردے زمین میں دفن ہوں گے وہ زندہ ہو کر باہر آجائیں گے، اور دوسری طرف زمین اپنے اندر چھپے ہوئے تمام خزینے اور دفینے اگل دے گی۔ جب انسان اپنی آنکھوں سے ان تمام مناظر کو دیکھے گا تو کہے گا کہ ارے! یہی تو وہ مال ہے، یہی تو وہ دولت ہے جس کی خاطر میں نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا، جس کی خاطر میں نے اپنے رشتہ داروں سے تعلقات ختم کر دیے تھے، جس کی خاطر میں نے حلال وحرام کی تمیز ختم کر دی تھی۔ آج یہ مال کسی کام کا نہیں ہے، ڈھیر پڑے ہوئے ہوں گے؛ لیکن وہ انسان کے کسی کام کے نہ ہوں گے۔ دوسری زندگی میں اس مال سے کوئی کام بننے والا نہیں ہے۔ گویا عالم آخرت میں اس مال کا بے کار ہونا اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کو ان کی حقیقی آنکھوں سے دکھلا دیں گے۔

زمین ہماری سی آئی ڈی:

یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا (اس دن زمین ساری خبریں لوگوں کی دے گی)۔
کیا خبریں دے گی؟ حدیث شریف میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر زمین کے کسی حصے پر کسی آدمی نے کوئی نیکی کا کام کیا ہے، تو زمین قیامت کے روز گواہی دے گی کہ فلاں آدمی نے، فلاں دن، فلاں تاریخ کو میرے اوپر نیکی کا یہ کام کیا تھا۔ وہ گواہی دے گی۔ زمین کے کسی خطے پر کسی نے گناہ کا کوئی کام کیا ہے تو قیامت کے روز زمین اس کے متعلق گواہی دے گی کہ فلاں آدمی نے، فلاں دن، فلاں تاریخ، فلاں وقت میں مجھ پر فلاں گناہ کیا تھا۔ گویا یہ زمین ہماری سی آئی ڈی ہے، جاسوس ہے۔ قیامت کے روز وہ سارے حالات اللہ کے حضور بتلا دے گی، سنا دے گی۔

ایں بجز حق دیگرے کے می کند:

اب کسی کے دل میں خیال آسکتا ہے کہ یہ زمین تو مٹی اور پتھر کا ایک مجموعہ ہے۔ وہ کیسے بولے گی؟ وہ کیسے اپنی خبریں سنائے گی؟ اس لیے کہ وہ تو مٹی اور پتھر ہے، نہ تو اس میں عقل ہے، نہ کوئی سمجھ ہے، نہ اس میں بولنے کی صلاحیت و طاقت ہے۔ وہ کیسے بولے گی؟ اس میں بتلانے کی یہ صلاحیت کیسے پیدا ہوجائے گی؟ اور وہ اپنی ساری خبریں کیسے سنائے گی؟ تو اس کا جواب صاف ہے کہ دیکھیے! اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے، انسان کے تمام اعضا میں سے صرف زبان بولتی ہے۔ تو زبان کو کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے پیدا کیا۔ زبان میں قوتِ گویائی کس نے رکھی؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکھی۔ حالاں کہ بہ ظاہر زبان گوشت کا ایک لوتھڑا ہے بس!!! تو جو اللہ گوشت کے ایک لوتھڑے میں بولنے کی

صلاحیت پیدا فرما سکتے ہیں، تو زمین جو مٹی اور پتھر کا مجموعہ ہے، اس کے اندر بھی اللہ تعالیٰ قوت گویائی ڈال دیں تو یہ کون سے تعجب کی بات ہے؟

......زبان میں بھی زبان نہیں:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا واقعہ ہے: ایک مرتبہ وہ ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے، دورانِ سفر ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت! قرآن میں آتا ہے کہ قیامت کے روز آدمی کے ہاتھ پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے، تو وہ کیسے بولیں گے؟ جب کہ ان میں کوئی زبان نہیں ہے!!! ہاتھ میں کوئی زبان نہیں، وہ کیسے بولتی ہے؟ پاؤں میں کوئی زبان نہیں، وہ کیسے بولے گا؟ تو حضرت نے فرمایا: زبان میں بھی زبان نہیں ہے، وہ کیسے بولے گی؟ حضرت کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ زبان جو بولتی ہے، اس میں اس کی اپنی کوئی صلاحیت نہیں ہے؛ بلکہ اس میں بولنے کی صلاحیت اور قوت گویائی اللہ نے رکھی ہے۔ جس اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے زبان میں بولنے کی صلاحیت رکھی، وہی اللہ قیامت کے روز ہاتھ اور پاؤں کو بھی قوت گویائی عطا کرے گا۔ اَنۡطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ. (فصلت:۲۱) یہ انسان بھی اپنے اعضاء سے کہے گا کہ ارے! تم میرے خلاف کیسے گواہی دے رہے ہو؟ وہ کہیں گے: جس اللہ نے سب کو بولنے کی قوت عطا فرمائی تھی، اس نے ہمیں بھی قوت گویائی عطا فرمائی، اس لیے ہم بول رہے ہیں۔

......تو کوئی گونگا نہ ہوتا:

تو "بولنا" زبان کا اپنا ذاتی کمال نہیں ہے؛ بلکہ زبان بھی اس لیے بولتی ہے کہ اللہ نے اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے۔ ورنہ بہت سی مرتبہ بعض بولنے والے اچانک خاموش ہو

جاتے ہیں، زبان جوں کی توں ہے۔ اگر ''بولنا'' یہ زبان کا ذاتی وصف ہوتا تو زبان ہر حال میں بولتی، دنیا میں کوئی گونگا نہ ہوتا۔

طفل را در مہد گویا او کند:

بعض لوگوں کی زبان نہیں بولتی۔ بچوں کی زبان بولتی نہیں۔ لیکن بعض مرتبہ بچوں کی زبان کو بھی اللہ تعالیٰ بولتا ہوا کر دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کو بچپن میں ہی اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی عطا فرمائی تھی۔ ویسے عام عرف یہی ہے کہ بچہ بولتا نہیں ہے؛ لیکن حدیث میں بعض بچوں کے قصے آتے ہیں، اور قرآن میں حضرت عیسیٰؑ کا واقعہ ہے، کہ جب وہ پیدا ہوئے تو پیدا ہوتے ہی بولے: قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا (مریم: ۳۰) (میں اللہ کا بندہ ہوں، اور اللہ نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے اپنا نبی بنایا)۔ بچہ ہونے کی حالت میں بولے، حالاں کہ بچے بولتے نہیں ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب قوت گویائی عطا فرمائی تو وہ بولے۔ تو بڑوں کو بولنے کی صلاحیت کس نے دی؟ اللہ نے۔ وہی اللہ اگر بچوں کو بولنے کی صلاحیت دے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے؟

جب بیل بولا:

جانور بھی انسانی زبان میں بات کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک آدمی بیل پر سواری کر کے جا رہا تھا، تو اس بیل نے پیچھے اس کی طرف منہ کر کے کہا: میں اس کے لیے پیدا نہیں کیا گیا، مجھے تو اللہ تعالیٰ نے کھیتی کے لیے پیدا کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: اس پر میرا ایمان ہے، اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کا ایمان ہے۔ اس وقت

مجلس میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ موجود نہیں تھے؛ لیکن ان کی ایمانی قوت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی اعتماد پر فرمایا کہ اس پر میرا اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کا ایمان ہے۔[۱]

حدیث میں اور بھی بچوں کے بولنے کے واقعات آئے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جیسے بڑے کی زبان کو قوت گویائی اللہ نے عطا فرمائی، کبھی اللہ تعالیٰ بچوں کو بھی یہ قوت عطا فرماتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے زلزلہ کے بعد زمین کو- جو ایک مٹی اور پتھر کا مجموعہ ہے- بولنے کی صلاحیت دے دیں تو اس میں تعجب کیا ہے؟

مؤمن کا عقیدہ:

زمین انسان کے اعمال کی گواہی دے گی۔ ہم لوگ بعض مرتبہ کوئی کام کرتے ہیں، تو ہر طرف دیکھ لیتے ہیں کہ کوئی ہے یا نہیں؟ حالاں کہ ایک مؤمن کا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر حرکت وسکون سے واقف ہیں، سب جانتے ہیں؛ لیکن اس کی طرف سے غفلت برتتے ہوئے آدمی دوسری چیزوں کی طرف دھیان رکھتا ہے کہ یہاں کوئی اور ہے؟ ارے بھائی! تم جہاں بھی کوئی نیک یا برا عمل کروگے تو وہاں زمین تو موجود ہے!!! وہ آپ کے اس عمل کو ریکارڈ کر رہی ہے، محفوظ کر رہی ہے، اس کی تصویر لے رہی ہے، اور آپ جو بول رہے ہیں اس کو بھی محفوظ کر رہی ہے۔ آپ کے عمل کو ریکارڈ کرنے کے بعد قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی گواہی دے گی۔ ہم یوں سمجھ رہے ہیں کہ اس کو کچھ پتا نہیں، وہ نہیں دیکھ سکتی۔ نہیں! زمین میں اللہ نے یہ سب صلاحیت رکھی ہے، اور اس صلاحیت کا اُس روز پتا چلے گا۔ اور قیامت کے روز زمین انسانوں کے اعمال سے متعلق اپنی ساری خبریں

(۱) صحيح البخاري: ۲۳۲۴، ۳۴۷۱، ۳۶۶۳، ۳۶۹۰.

سنائے گی۔

ایک سوال:

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ حضرت آدمؑ سے لے کر اب تک جاری ہے، ہزاروں سال ہو گئے۔ لاکھوں، کروڑوں، بلکہ اربوں انسان پیدا ہو گئے، اور قیامت تک نہ معلوم کتنے لاکھوں، کروڑوں انسان مزید پیدا ہوں گے؟ اور زمین کے ایک گز ٹکڑے پر بے شمار انسانوں نے کیا کیا اچھے اور برے اعمال کیے، کیا زمین کا وہ ٹکڑا ان تمام انسانوں کے ان اچھے اور برے اعمال کے متعلق گواہی دے پائے گا؟ ایک چھوٹا سا ٹکڑا کیسے گواہی دے گا؟

قیاس مع الفارق:

اس کا جواب دیا گیا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی ہے، یہ ہماری دنیا ہے، اس میں جو حالات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، آخرت کے حالات کو بھی ہم اسی پر قیاس کرتے ہیں۔ حالاں کہ آخرت کا حال دنیا کے حال سے الگ ہوگا۔ دنیا میں بھی ایک خطے میں جو صورتِ حال ہوتی ہے وہ دوسرے خطے میں نہیں ہوتی، یہاں گرمی ہے، کسی جگہ سردی ہے۔ یہاں دن بڑا ہے، کسی جگہ دن چھوٹا ہے۔ تو اسی طرح دنیا میں جو حالات ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اسی کیفیت اور حالت کا آخرت میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (الحج:۴۷) (اللہ کے ہاں کا ایک دن، تمہارے ہزار دنوں کے برابر ہے) یعنی دنیا کے ہزار دن، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کا ایک دن۔ تو آخرت کے دن کو ہم دنیا کے دن پر قیاس کریں تو یہ درست

نہیں ہے۔ گویا آخرت کا معاملہ الگ ہے، دنیا کا معاملہ الگ ہے۔

وقت میں لمبائی اور چوڑائی بھی:

اس کی وضاحت کرتے ہوئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک لمبائی، ایک چوڑائی اور ایک گہرائی ہوتی ہے۔ وقت کے متعلق ہم یوں سمجھتے ہیں کہ اس میں صرف لمبائی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت میں لمبائی بھی ہے اور چوڑائی بھی ہے۔ وہ چوڑائی ہم کو نظر نہیں آتی ہے۔ بہت سی مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک مختصر سے وقت میں بڑے لمبے لمبے کام انجام دلوادیتے ہیں، کیسے؟ وہ اس وقت کی چوڑائی کو وجود میں لاتے ہیں، جو ہمیں نظر نہیں آتی۔ قیامت کے روز اس کا ظہور ہوگا۔

تو زمین پر انسانوں نے جو اعمال کیے ہوں گے اچھے یا برے اس کے متعلق وہ گواہی دے گی۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتلا دیا، اس لیے ہمیں چوکنا کیا جارہا ہے کہ تم غافل مت رہو، تم یہ مت سمجھو کہ میں یہ حرکت کررہا ہوں اس کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو دیکھ ہی رہے ہیں، لیکن زمین کے جس خطے پر آپ یہ کام کررہے ہیں وہ زمین بھی دیکھ رہی ہے، ریکارڈ کررہی ہے، نوٹ کررہی ہے اور قیامت کے روز وہ گواہی دے گی۔

اس زمین پر توبہ بھی کرلو......!!!

اسی لیے ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر کسی آدمی سے کسی زمین پر کوئی گناہ ہوگیا، تو اس کو چاہیے کہ اسی زمین پر وہ توبہ بھی کرلے۔ تاکہ کل کو جب یہ زمین تمہارے اس گناہ کی گواہی دے، تو ساتھ ساتھ توبہ کی بھی گواہی دے دے، کہ اس نے مجھ پر یہ گناہ کیا

تھا؛ لیکن توبہ بھی کر لی تھی۔ اس کی عادت ڈالو۔ توبہ بھی دوسری نیکیوں کی طرح نیکی ہی ہے۔ اور زمین جس طرح گناہوں کی گواہی دے گی، نیکیوں کی بھی گواہی دے گی۔ اس لیے ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ اگر ہماری غفلت، کوتاہی اور عادت بد کی وجہ سے کسی خطۂ زمین پر کسی گناہ کا صدور ہو گیا ہو تو فوراً اور یاد نہیں آیا، تو دوسرے وقت میں وہیں جا کر توبہ کریں؛ تا کہ زمین کا وہی خطہ اس کے حق میں توبہ کی بھی گواہی دے دے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں تو دونوں چیزوں کو دیکھا جائے گا اور دونوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ ہوگا۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا (اس دن زمین اپنی ساری خبریں بتا دے گی) بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (کیوں کہ تمہارے پروردگار نے اس کو یہی حکم دیا ہوگا) تو اللہ جس طرح دنیا میں زبان سے بلواتے ہیں، آخرت میں زمین سے بھی بلوائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ان چیزوں کا یقین عطا فرمائے۔ جو ہماری زندگی میں تبدیلی لاسکیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ زلزال

(قسط-۳)

(مؤرخہ:۹/رجب المرجب،۱۴۴۰ھ-مطابق:۱۶/مارچ/۲۰۱۹،شب یک شنبہ)

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى اٰله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً .

أمابعد! فأعوذبالله من الشيطٰن الرجيمO بسم الله الرحمٰن الرحيمO

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ﴿۲﴾ وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾ يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰى لَهَا ﴿۵﴾ يَوۡمَئِذٍ يَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّيُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۶﴾ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَ مَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿۸﴾

یہ سورۂ زلزال آپ کے سامنے تلاوت کی گئی، گذشتہ دو مجلسوں سے اس کی تشریح کا سلسلہ جاری ہے۔اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت اور دوبارہ زندہ کیے جانے کے

حالات بیان فرمائے ہیں۔

اسی سلسلہ میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا (اس دن زمین اپنے واقعات برملا لوگوں کے سامنے بتائے گی) میری پشت پر کیا کیا واقعات پیش آئے؟ کس آدمی نے کیا عمل کیا؟ مفصل بتلائے گی۔

ایک اشکال:

اس موقع پر بعض لوگ اشکال کرتے ہیں کہ یہ زمین تو جمادات میں سے ہے، ایک بے جان چیز، پتھر اور مٹی کا مجموعہ ہے۔ اس میں نہ تو کوئی شعور اور ادراک ہے، نہ احساس ہے۔ وہ کیسے ان واقعات کو اپنے اندر محفوظ رکھ کر بیان کر سکے گی؟

قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا:

قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی جگہوں پر اس غلط فہمی کو دور فرمایا ہے۔ چناں چہ باری تعالیٰ نے ایک موقع پر فرمایا کہ یہ پتھر تمہارے سامنے تو حرکت نہیں کرتے، تم کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، نہ بولتے ہیں، نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں، حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ کائنات کی تمام چیزوں کے متعلق باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بہ ظاہر بے جان و بے شعور نظر آتی ہیں؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز میں کچھ نہ کچھ شعور، ادراک اور احساس پیدا فرمایا ہے۔ چناں چہ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (الاسراء:۴۴) (کائنات کی ہر چیز اللہ کی پاکی اور تسبیح بیان کرتی ہے؛ لیکن اے انسانو! تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو) ہمیں پتا نہیں چلتا کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاکی بیان کر رہی ہیں۔ حالاں کہ پتھر بھی اللہ کی

پاکی بیان کررہاہے، اور درخت بھی اللہ کی پاکی بیان کررہاہے، پہاڑ بھی اللہ کی پاکی بیان کر رہاہے، دریا بھی اللہ کی پاکی بیان کررہاہے، زمین بھی اللہ کی پاکی بیان کررہی ہے، آسمان بھی اللہ کی پاکی بیان کررہاہے، ہر چیز اللہ کی پاکی اور تسبیح بیان کررہی ہے۔

پتھر میں شعور:

بلکہ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک جگہ خاص طور پر پتھروں کے سلسلے میں ارشاد فرمایا: وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ (البقرة:۷۴) (بعض پتھر ایسے ہیں کہ بعض مرتبہ اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کی وجہ سے لڑھک جاتے ہیں)

پہاڑ میں ادراک:

ایک اور جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ (الحشر:۲۱) (اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو آپ دیکھتے کہ وہ پہاڑ بھی اللہ کی خشیت سے جھکا ہوا اور پھٹا پڑ رہا ہے) پہاڑ بہ ظاہر بے جان اور جماد نظر آتا ہے؛ لیکن اللہ نے اس کے اندر بھی شعور رکھا ہے۔ تبھی تو وہ کیفیت اس میں پیدا ہوئی جو قرآن نے بیان کی۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی اس کے مناسب شعور اور سمجھ رکھی ہے۔

درختوں میں سمجھ:

درختوں کو دیکھو! کوئی درخت کسی دیوار کے قریب اگا ہے، جب بڑھتے بڑھتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچتا ہے کہ جہاں دیوار آڑے آرہی ہے، تو درخت اپنا رخ بدل دیتا ہے اور مڑ

جاتا ہے۔درخت کو کس نے بتایا کہ اب تیرا راستہ بند ہو گیا ہے، تجھے راستہ بدلنا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو جس شعور اور سمجھ کی ضرورت ہے، وہ عطا فرمائی ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنا رخ موڑ لیتا ہے۔کیا کسی انسان نے آ کر اس کو وہاں سے ہٹایا؟ نہیں! وہ خود ہی اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔اس کو کس نے بتایا؟ کیسے اس نے راستہ بدلا؟ یہ سمجھ اس کے اندر کہاں سے آئی؟ یہ شعور اور ادراک کہاں سے آیا؟ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حالت کے مناسب شعور اور ادراک رکھا ہے۔

زمین؛ اللہ کا جاسوس:

اس زمین سے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ اسی سورت میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔تو زمین کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ بہ ظاہر نہ وہ بولتی ہے، نہ اس کی کوئی زبان ہے، گونگی معلوم ہوتی ہے، نہ اس کے کوئی کان نظر آتے ہیں، بہری معلوم ہوتی ہے، نہ وہ کچھ دیکھتی ہوئی ہمیں نظر آتی ہے، نہ اس کی آنکھیں ہیں؛ لیکن ایسی بات نہیں ہے۔کوئی بھی کام جب اس کی پشت پر ہوتا ہے، کوئی بھی انسان اچھا یا برا عمل کرتا ہے تو زمین دیکھتی ہے، اور ریکارڈ اور محفوظ کرتی ہے، وہ بات بھی سنتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے شعور عطا فرمایا ہے۔جیسا کہ اگلی مجلس میں بتلایا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز یہ زمین ان ساری چیزوں کو جو اس نے اپنے پیٹ میں ریکارڈ کی ہیں، بتلائے گی، ابھی تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں ہے، ایک بے جان چیز ہے؛ لیکن یہی اللہ میاں کا جاسوس ہے۔اور یہ ایک ایسا جاسوس ہے کہ ہم اس سے بچ نہیں سکتے۔آدمی گناہ کرنے کے لیے کہاں جائے گا؟ زمین سے ہٹ کر تو جانے والا نہیں۔زمین تو ہر جگہ ہے، اس سے اس کو ہر جگہ واسطہ پڑتا ہے۔تو یہ

زمین بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا جاسوس ہے۔

اس کی کیا گارنٹی......؟؟؟:

اب ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ زمین قیامت کے روز گواہی دے گی، اور سب خبریں بتلائے گی ۔- گواہی دنیا میں بھی دی جاتی ہے-تو گواہی کبھی سچی ہوتی ہے اور کبھی جھوٹی بھی۔تو زمین انسانوں کے متعلق جو گواہی دے گی اس میں کیا گارنٹی ہے کہ سچی ہی گواہی دے گی؟ جھوٹی نہیں دے گی؟ ایک شبہ پیدا ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آدمی کے کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں:

دشمنی؛ جھوٹی گواہی کا سبب:

(۱) گواہی دینے والے کی-جس کے خلاف وہ جھوٹی گواہی دے رہا ہے- دشمنی۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ میں اس کو مصیبت اور تکلیف میں ڈالوں، سزا دلواؤں۔لہٰذا سزا دلوانے کے لیے وہ اس کے خلاف جھوٹی گواہی دیتا ہے؛ تاکہ اس کے خلاف فیصلہ ہو، اور اس کو تکلیف میں ڈالا جائے۔

ماں بیٹے کے خلاف کیوں گواہی دے......؟؟؟:

تو زمین جھوٹی گواہی کیوں دے گی؟ کیا زمین کو ہمارے ساتھ کوئی دشمنی ہے؟ ظاہر ہے کہ زمین کو ہمارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے؛ بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ زمین تو ہماری ماں ہے۔ گجراتی میں بھی بولتے ہیں:માતૃભૂમી انسان اسی مٹی سے پیدا ہوا ہے،تو زمین کا رشتہ ہمارے ساتھ کچھ ایسا ہی ہے جیسا ماں کا اپنے بیٹے کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ بھلا

ماں اپنے بیٹے کے خلاف ایسی گواہی کیوں دے گی، جس کی وجہ سے اس کو سزا ہو جائے!!!
کیا ماں جھوٹی گواہی دے سکتی ہے؟ نہیں۔ تو زمین کو بھی ہمارے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔
آپ نے نیکی کی ہے تو وہ بھی بتادے گی، اور بدی کی ہے تو وہ بھی بتلائے گی۔ وہ تو حقائق کا
اظہار کرتی ہے، کسی دشمنی کے سبب نہیں۔

اکراہ؛ جھوٹی گواہی کا سبب:

(۲) کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دینے کی دوسری وجہ کسی صاحب اقتدار اور طاقتور شخص کا اکراہ ہے، وہ تو نہیں چاہتا لیکن اس کو مجبور کیا گیا۔ اور مجبور کرنے کی وجہ سے وہ گواہ اس کے خلاف جھوٹی گواہی دیتا ہے۔ اس گواہی دلوانے والے صاحب اقتدار کی آپ سے دشمنی ہے، جس کی وجہ سے وہ گواہ سے آپ کے خلاف جھوٹی گواہی دلوا رہا ہے۔

اب زمین کے پاس کون گواہی دلوا رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا. کہ زمین کو گواہی دینے کا حکم اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کون ہیں؟

زمین گواہی کیوں دے گی......؟؟؟:

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ رب ذکر فرمایا، یعنی وہ اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں پال پوس کر بڑا کیا، روزی دی، نعمتوں کی بارش برسائی، وہ اللہ اس زمین کو حکم دے گا کہ وہ گواہی دے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو آپ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ کوئی دشمنی ہوتی تو وہ پیدا کیوں کرتا؟ اپنی نعمتیں کیوں کھلاتا پلاتا؟ اپنی رحمتیں کیوں نازل فرماتا؟ تو لفظ رب استعمال فرمایا، یہ نہیں فرمایا: بان اللہ اوحیٰ لھا. زمین

اس لیے گواہی دے گی کہ اس کو اللہ نے حکم دیا ہے۔نہیں! بلکہ فرمایا: بِاَنَّ رَبَّكَ (تمہارے رب نے اس کو حکم فرمایا ہے)۔اور اللہ نے حکم اس لیے دیا کہ وہ حقائق کا اظہار کرے۔اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کی پشت پر جو اعمال کیے گئے، جو واقعات وجود میں آئے، وہ ظاہر ہوں،لہٰذا زمین کو کہا گیا کہ تو بول، وہ جو کچھ ہوا ہے سب سچ سچ بولے گی، جھوٹ نہیں بولے گی۔اور نہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ وہ جھوٹی گواہی دے۔اللہ تعالیٰ کو ہم سے کیا دشمنی؟

اگر دشمنی ہوتی تو......:

قرآن پاک میں باری تعالیٰ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ (النساء: ۱۴۷) (اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور ایمان لاؤ، تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟) تمہیں عذاب دے کر اللہ کا کیا فائدہ؟ وہ تو تم ہی برے کرتوت کر کے اپنے آپ کو عذاب کا حقدار بناتے ہو۔اللہ کو اس میں کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ایک ماں باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ جو شفقت ومحبت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ اس سے زیادہ شفقت ومحبت ہے۔تو بھلا اللہ تعالیٰ کیوں ہمارے خلاف زمین کے ذریعے سے جھوٹی گواہی دلوائیں گے؟ اللہ تعالیٰ اس کو گواہی دینے اور خبریں بتلانے کے لیے جو کہہ رہے ہیں اس کی وجہ تو صرف اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ حقائق سامنے آ جائیں۔دنیا میں جو حقائق وواقعات پیش آئے تھے یہ زمین ان واقعات کو صحیح صحیح بیان کر دے۔ اسی لیے اگر اس نے گناہ کیا ہے تو وہ بھی بتلائے گی ،اور نیکی کی ہے تو وہ بھی بتلائے گی۔اگر دشمنی کی وجہ سے گواہی دیتی،تو نیکی نہ بتلاتی، بلکہ صرف گناہ کا اظہار کرتی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔

اپنا اپنا گروپ:

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ (اس دن لوگ مختلف ٹولیوں کی شکل میں لوٹیں گے)۔یعنی جو نیک لوگ ہیں ان کی بھی مختلف ٹولیاں ،مختلف گروہ اور مختلف گروپ ہوں گے۔ جیسے جیسے اعمال، نمازیوں کا گروپ الگ،صدقہ خیرات کرنے والوں کا گروپ الگ،روزہ رکھنے والوں کا گروپ الگ۔ جو جو اوصاف حمیدہ اور جیسی جیسی خوبیاں اور کمالات ہیں ان کے اعتبار سے ہر ایک گروپ ہوگا۔ بدکاروں کے گروپ بھی اسی طریقے سے ہوں گے۔ چوروں کا گروپ الگ، زانیوں کا گروپ الگ،شرابیوں کا گروپ الگ، دھوکہ دینے والوں کا گروپ الگ۔تمام لوگوں کو مختلف جماعت اور گروپ کی شکل میں لوٹایا جائے گا۔

یہ تو وہی وعدہ ہے......:

باری تعالیٰ سورۂ یاسین میں فرماتے ہیں کہ لوگ تو اپنی قبروں میں مرے ہوئے پڑے ہیں؛لیکن جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو اس صور کی آواز کو سن کر مردے ایک دم کھلبلا کر زندہ ہوکر اپنی قبروں سے باہر نکل آئیں گے۔اوراس وقت ان کی زبان پر یہ ہوگا:يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا (یٰس:۵۲) (کس نے اچانک ہم کو نیند سے اٹھا دیا اوراپنی قبروں سے باہر نکال دیا؟) پھر انسان کو یاد آئے گا: هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ۔ (یٰس:۵۲) ہاں !دنیا میں اللہ کے نبی اور پیغمبر آ کر ہم کو بتلاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تم کو دوبارہ زندہ کریں گے،یہی اللہ کا وعدہ ہے جو پورا ہورہا ہے،اور پیغمبروں نے ہمیں جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا۔ہم اُس وقت ان کو نہیں مانتے تھے، انکار کرتے تھے؛لیکن آج ہم اپنی

آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کا وہ وعدہ پورا ہو رہا ہے۔

اپنا اپنا ڈیٹا چیک کرلو.......:

اب میدان حشر میں مختلف ٹولیوں کی شکل میں کیوں لائے جائیں گے؟ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: لِّيُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡؕ (تاکہ ہر کو اپنے اپنے اعمال بتلائے جائیں)۔تم نے دنیا میں کیا کیا تھا؟ تمہارا دنیا میں بالغ ہونے سے لے کر موت تک کا پورا ڈیٹا اعمال نامے میں موجود ہے، ہر ایک کے سامنے پیش کیا جائے گا۔آدمی جب اپنے اس اعمال نامے، اور اس ڈیٹا کو دیکھے گا تو اس کو سب یاد آئے گا۔بسا اوقات ہم کوئی کام، کوئی چیز کرنے کے بعد بھول جاتے ہیں؛ لیکن جب ہمارے سامنے وہ چیز لائی جاتی ہے، تو ہم کو یاد آجاتی ہے۔قیامت کے روز جب آدمی اپنے نامۂ اعمال کو دیکھے گا تو کہے گا: مَالِ هٰذَا الۡكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً اِلَّاۤ اَحۡصٰهَا (الکہف:۴۹) (اس نوشتے کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی چھوٹا بڑا کام ایسا نہیں ہے جو اس نے چھوڑا ہو) ہم جو بول بولے، جو حرکتیں کیں، جو خیالات دلوں میں پکائے تھے وہ سب کچھ اندر ہیں۔سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔تو حشر میں اسی لیے لایا جائے گا کہ انہوں نے جو اعمال دنیا میں کیے تھے وہ اعمال ناموں کی شکل میں ان کو دکھلائے جائیں گے۔

جب اعمال نامہ پیش کیا جائے گا تو کہا جائے گا: اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا (بنی اسرائیل:۱۴) دیکھو یہ تمہارا اعمال نامہ، پڑھ لو، تم ہی فیصلہ کرلو۔یعنی تمہارا انجام کیا ہے، کہاں تمہیں بھیجا جانا ہے، جنت میں یا جہنم میں، سزا دی جائے گی یا انعام دیا جائے گا؟ ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہر آدمی سمجھ جائے گا کہ میرا انجام کیا ہے؟ کچھ بتلانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

الحاجة تفتق الحيلة:

پہلے زمانے میں تو لوگوں کو یہ بات سمجھنے میں ذرا دشواری ہوتی تھی، کہ حضرت آدم ؑ سے لے کر قیامت تک لاکھوں کروڑوں، اربوں، کھربوں انسان پیدا ہوئے اور ہوں گے ان سب کا ریکارڈ، سب کے اعمال، نیکیاں، گناہ، ان کی سوچ، ان کے دلوں میں پکے ہوئے خیالات، اتنی ساری چیزیں، نیز کسی آدمی کی عمر پچاس سال، کسی کی ساٹھ، کسی کی ستر، کسی کی اسّی، کسی کی نوّے، کسی کی سو، کسی کی اس سے زیادہ، اتنی لمبی عمر، پہلے کے زمانہ میں تو اس سے بھی لمبی عمریں ہوا کرتی تھیں، اتنی لمبی عمر میں جو کیا، وہ سب زمین کیسے بتلائے گی؟ تو لوگوں کی سمجھ میں آتا نہیں تھا، تو لوگوں کو سمجھانے کے لیے کہا جاتا تھا کہ بھائی! بس! اتنا سمجھ لو کہ جس اللہ نے ساری کائنات کو پیدا کیا، انسانوں کو پیدا کیا، اس اللہ کو اس بات پر قدرت ہے کہ وہ ساری چیزیں اس وقت پیش کر دے۔ لیکن آج تو کمپیوٹر کی ایجاد نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔

......تب سمجھ میں نہیں آتا تھا:

قرآن میں باری تعالیٰ نے ایک چیز بتلائی: سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (فصلت: ۵۳) (اے انسانو! ہم کائنات میں اور تمہاری ذات میں ہماری ایسی نشانیاں تم کو بتلائیں گے جن کو دیکھ کر تم کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ اللہ کا دین، اور اللہ نے یہ ساری چیزیں جو بھیجی ہیں وہ سب سچی ہیں) اللہ نے جو کہا تھا کہ تم کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا، تمہارے اعمال تمہارے سامنے پیش کیے جائیں گے اس وقت سمجھ میں نہیں آتا تھا، اتنے لاکھوں کروڑوں اور کھربوں انسانوں کے اعمال نامے، ایک ایک آدمی کی پچاس، سو سال تک کی زندگی، یہ سب کیسے ہوگا؟ لیکن ایک کمپیوٹر کے چھوٹے سے پین ڈرائیو میں

لاکھوں انسانوں کا ڈیٹا بٹن دباتے ہی سامنے آجاتا ہے۔

ذات ہے تیری لامحدود:

اب تو تصویر کے ساتھ، یعنی انسان نے جو کیا ہے اس کی تصویر بھی موجود ہے کہ تم نے یہ حرکت کی ہے۔ تو وہاں بھی اسی طرح ہوگا۔ سب چیز اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، لکھا ہوا بھی دیکھ لے گا، اور اپنے آپ کو کرتا ہوا بھی دیکھ لے گا۔ اللہ نے ایک ایسی ایجاد اسی انسان کے ہاتھوں کروائی ہے۔ جب ایک انسان، اللہ کا پیدا کیا ہوا، اللہ نے اس کو محدود عقل اور محدود طاقت دی، وہ اپنی اس محدود اور لمیٹیڈ عقل و طاقت کے ذریعے سب کچھ کرسکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت تو لامحدود ہے، وہ اگر تمام انسانوں کے اعمال ناموں کو سب کے سامنے کھول کر رکھ دے، تو کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے آپ کے اعمال درست کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

تنبیہ:

اس سورت میں ہمیں متنبہ کیا گیا ہے کہ یہ مت سمجھنا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا کسی کو پتا نہیں ہے۔ عام طور پر انسان غلط کام کرنے کے لیے تنہائی تلاش کرتا ہے؛ لیکن جہاں بھی جائے گا وہاں زمین تو موجود ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہاں کوئی اور نہیں ہے۔ اگر چہ مؤمن کا عقیدہ تو یہ ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ ہمیں دیکھتا ہے؛ لیکن اس وقت وہ اس کو بھول جاتا ہے، اور دوسرے لوگوں کی طرف نظر ہوتی ہے کہ کوئی انسان تو مجھے نہیں دیکھ رہا ہے؟ یہاں کوئی کیمرا تو لگا ہوا نہیں ہے؟ سب کا اطمینان کرلے تو بھی اللہ میاں کا لگایا ہوا کیمرا تو ہے ہی، وہ ایسا ہے کہ اس میں باتیں بھی آجاتی ہیں، اور کرتوت بھی آجاتے ہیں۔ ہمیں ان

سب کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ ہم سب کو توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ زلزال

(قسط-۴)

(مؤرخہ: ۱۷/رجب المرجب، ۱۴۴۰ھ-مطابق: ۲۳/مارچ ۲۰۱۹ء شب یک شنبہ)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالناونعوذبالله من شرورأنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولانا محمداً عبده ورسوله أرسله إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً صلى الله تعالى عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيراً.

أما بعد! فأعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم○ بسم الله الرحمٰن الرحيم○

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ﴿۲﴾ وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوۡحٰی لَهَا ﴿۵﴾ یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۶﴾ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَهٗ ﴿۸﴾

سورۂ زلزال کی توضیح اور تشریح کا سلسلہ پچھلی مجالس سے چل رہا ہے۔ اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے اور قبروں سے نکل کر میدان حشر کی

طرف جانے کا منظر بیان فرمایا ہے۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ (اس دن لوگ مختلف ٹولیوں اور مختلف گروہوں میں میدان حشر کی طرف جا رہے ہوں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھلائے جائیں)۔

اعمال دکھانے کا مطلب:

اعمال دکھلائے جانے کا کیا مطلب؟

(۱) ایک مطلب: ان کے سامنے ان کا نامۂ اعمال پیش کر دیا جائے گا، اور زندگی بھر انہوں نے جو بھی اچھے یا برے اعمال کیے تھے، ان کا سب کچا چٹھا انسان کے سامنے پیش کر دیا جائے گا، اور وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

(۲) دوسرا مطلب: ہم محاورہ میں بولتے ہیں کہ تم اپنے عمل کو دیکھ لو گے۔ یعنی تم کو اپنے عمل کا انجام دکھا دیا جائے گا۔ گویا جو بھی اچھے یا برے اعمال کیے ہیں، ان کا جو بھی اچھا یا برا انجام ہے وہ میدان حشر میں دوبارہ زندہ ہونے کے بعد انسان دیکھ لیں گے۔

میدانِ حشر میں پہنچنے کی شکل:

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ (اس دن لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر مختلف جماعتوں اور ٹولیوں میں میدان حشر کی طرف جائیں گے)

حشر کی طرف جانے شکل کیا ہوگی؟ بخاری شریف کی روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی شکل کے سلسلے میں وضاحت فرمائی ہے، کہ جب لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے، قبروں سے اٹھا کر میدان حشر کی طرف لایا جائے گا، اس وقت کچھ لوگ تو پیدل چلتے ہوئے

جائیں گے، کچھ لوگوں کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سواریاں مہیا فرمائیں گے، وہ ان سواریوں پر سوار ہو کر میدان حشر کی طرف جائیں گے۔ اور معاذ اللہ! کچھ لوگ اپنے منہ کے بل گھسٹ کر میدان حشر کی طرف جائیں گے۔ قرآن میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا (ہم ان کو قیامت کے روز منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے ایسی حالت میں کہ وہ اندھے، بہرے اور گونگے ہوں گے، لائیں گے)۔

سر کے بل بھی چلا سکتا ہے......:

بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافر کو میدان حشر میں سر کے بل لایا جائے گا، تو وہ سر کے بل کیسے چلے گا؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: جس اللہ نے اس کو پاؤں کے ذریعے چلایا، وہی اللہ اپنی قدرت سے اس کو سر کے بل بھی چلائے گا۔ اللہ کے لیے کیا مشکل ہے؟ بھائی! بہت سے جانور ایسے ہیں کہ جن کے پیر نہیں ہیں، آپ سانپ کو دیکھیں، اسی طرح زمین کے کیڑے مکوڑوں کے عام طور پر پاؤں نہیں ہوتے ہیں، پھر بھی وہ زمین پر رینگ کر چلتے ہیں، لہٰذا وہ بھی اپنے سر کے بل زمین پر رینگ کر جائے گا۔

اس حدیث کے رواۃ میں سے حضرت قتادۃ تابعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب- جو اللہ اس کو پاؤں سے چلاتا ہے، وہ سر کے بل چلانے پر قادر ہے- نقل کر کے فرماتے ہیں: بلیٰ وعزۃ ربنا۔ (کیوں نہیں! قسم ہے ہمارے پروردگار کی عزت کی)[1] گویا جس طرح وہ پاؤں سے چلا سکتا ہے، سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔

---

(۱) صحیح البخاري: ۴۷۶۰، ۲۵۲۳۔

آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی:

بہرحال! اپنے اپنے اعمال کے مطابق مختلف ٹولیوں اور مختلف گروہوں میں جیسے اعمال ہوں گے اسی کے مطابق لوگوں کو میدانِ حشر میں لایا جائے گا۔ دیکھیے! قیامت کے روز قبر سے اٹھتے ہی سختیاں شروع ہو جائیں گی، جہنم میں جانے پر موقوف نہیں ہوں گی۔ کفر و شرک یا بداعمالیوں کے ساتھ زندگی گزاری، ظلم کیا، تو قبر سے اٹھتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ دنیا میں ظالمین ظلم کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دیتے ہیں، وہ خود بھی غلط فہمی میں رہتے ہیں، اور بعض لوگ بھی یوں سمجھتے ہیں کہ ان کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا، باری تعالیٰ ایسے ظالموں کے متعلق قرآن میں صاف لفظوں میں فرماتے ہیں: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ (ابراھیم:۴۲) (ظالم لوگوں کے بارے میں یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور کرتوتوں سے بے خبر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک ایسے دن (قیامت) کے لیے ڈھیل دے رکھی ہے، جس میں ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی)۔

جب لوگ قبر سے اٹھیں گے اور میدانِ حشر کا ہولناک منظر دیکھیں گے، تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ آدمی کسی چیز کو دیکھتا ہے، پھر آنکھ بند کرتا ہے تو اس کی نگاہ اس کی طرف لوٹ کر آتی ہے؛ لیکن ہیبت ناک منظر ہوتا ہے تو آنکھ یوں ہی پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہے، نگاہ واپس نہیں آتی، بلکہ وہیں کی وہیں جم جاتی ہے۔ قرآن میں باری تعالیٰ آگے فرماتے ہیں: مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَاۗءٌ (ابرھیم:۴۳) (وہ لوگ پکارنے والے کی پکار پر، آواز دینے والے کی آواز پر میدانِ حشر کی

طرف دوڑے ہوئے جارہے ہوں گے، اوران کے چہرے اٹھے ہوئے ہوں گے، اوران کی آنکھیں پلٹ کران کی طرف نہیں آئیں گی ،یعنی پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ، اوران کے کلیجے ہر چیز سے خالی ہوں گے)۔گو یاان میں کچھ نہیں ہے، بالکل خالی۔اطمینان وسکون سے خالی ہوں گے۔

اب میدان حشر میں سختی کا عالم کیا ہوگا؟ ہم بچپن سے سنتے آرہے ہیں کہ قیامت کے روز سورج ایک میل کی اونچائی پر ہوگا، گرمی شباب پر ہوگی ۔ اِس وقت سائنس دانوں کے بتلانے کے مطابق سورج زمین سے نو کروڑ ،پینتیس لاکھ (9,35,00000) میل دور ہے۔اتنادور ہونے کے باوجود گرمی کے زمانے میں گرمی کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہم سے رہا نہیں جاتا۔جب وہ ایک میل دور ہوگا تو آدمیوں کا کیا حال ہوگا؟

حفاةً عراةً غرلاً:

قیامت کے روز جب مردے قبر سے اٹھائے جائیں گے،تو کَمَا بَدَأۡنَآ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِيۡدُهٗ (الانبیاء: ۱۰۴) (ہم نے جس طرح پہلی مرتبہ ان کو ماں کے پیٹ سے پیدا کیا تھا، اسی طرح ان کو دوبارہ اٹھائیں گے)۔ جیسے : جب بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے ،تو کپڑے پہنے بغیر (ننگا) آتا ہے،بغیر جوتے کے برہنہ پا آتا ہے؛اور بغیر ختنہ کے آتا ہے۔ تمام انسان اسی طرح پیدا ہوتے ہیں، قیامت کے دن بھی اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔[1]

لوگ پسینوں میں……:

مسلم شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن

(۱)صحيح البخاري: ۳۳۴۹، ۳۴۴۷، ۴۶۲۵، ۴۷۴۰، ۶۵۲۶.

سورج اتنا قریب ہوگا کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے لوگ اپنے اپنے گناہوں کے مطابق پسینوں میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ کوئی ٹخنوں تک، کوئی گھٹنوں تک، کوئی کمر تک، کوئی سینے تک اور کسی کا پسینہ اس کے منہ تک ہوگا، گویا پسینہ اس کو لگام دیے ہوئے ہوگا۔[1] وہ اپنے پسینے میں تیر رہے ہوں گے۔ یہ تو وہ پسینہ جو باہر ہے۔

روایات میں ہے کہ پسینہ نکلنے کے بعد ستر (۷۰) ہاتھ تو وہ پسینہ اندر جذب ہوگا۔[2] اس حالت میں لوگ اپنے پسینوں میں تیر رہے ہوں گے۔

فزع اکبر:

میدان حشر میں جو گھبراہٹ، پریشانی اور خوف کا عالم ہوگا اس کو قرآن میں باری تعالیٰ نے اَلْفَزَعُ الْاَکْبَرُ (الانبیاء:۱۰۳) (بہت بڑی گھبراہٹ) سے تعبیر کیا ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی پریشانی بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس دن کی پریشانی سب سے بڑی پریشانی ہوگی۔ کافروں، مشرکوں کا گروہ بھی اسی حالت میں ہوگا۔ وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق تکالیف اور مشقت میں ہوں گے۔

اس کے بالمقابل ایک دوسری جماعت نیکو کاروں، فرماں برداروں اور اطاعت شعاروں کی ہے، جنہوں نے اپنی زندگی میں خواہشات پر لگام رکھی، اپنے آپ پر کنٹرول کیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لائے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں اپنی زندگی کو گزارا، اور زندگی کی قدر کی۔ وہی میدان حشر اُن کے لیے بھی ہے، سورج اتنی ہی اونچائی پر،

(۱) صحيح مسلم: ۶۲ - ۲۸۶۴.

(۲) صحيح البخاري: ۶۵۳۲.

لیکن ان کا کیا حال ہوگا؟ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سایے میں ہوں گے، کوئی گھبراہٹ نہیں، ایئر کنڈیشن میں ہیں۔ مشرکین، کفار، فساق وفجار جن تکلیفوں اور مشقتوں سے گذر رہے ہیں، ان مشقتوں کا کوئی اثر ان پر نہیں ہوگا۔ بڑے اطمینان کے ساتھ اللہ کے پیدا کیے ہوئے سایے میں ہوں گے۔ اللہ ان سختیوں کو ان کے لیے آسان کر دیں گے۔

وہ سایہ کیسا ہوگا؟ ہم آج اس کا تصور نہیں کر سکتے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سبعة يظلهم الله في ظله يوم لاظل إلا ظله. (سات آدمی ایسے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایے میں جگہ دیں گے جس دن اللہ کے سایے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا)۔[۱]

اپنے سایے میں؛ ایک نکتہ:

دیکھو! عام طور پر احادیث میں جو لفظ آتا ہے وہ ہے ''اپنے سایے میں''، عرش کا لفظ نہیں ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: عرش بھی تو ایک نورانی جسم ہے، اس کا سایہ کیسے؟ یہاں سایے کی نسبت اللہ کی طرف تعظیم اور تشریف کے لیے کی گئی ہے۔ جیسے: مسجد کو اللہ کا گھر کہتے ہیں، حالاں کہ یہ کوئی اللہ کے فروکش ہونے اور رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو اونچا مقام دینے کے لیے اس گھر کی نسبت اپنی طرف کر دی۔ اسی طرح اس سایے کا شرف، عظمت اور بزرگی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کر دی، یعنی اللہ کا سایہ۔ یعنی اللہ کے پیدا کیے ہوئے مخصوص سایے میں وہ لوگ ہوں گے۔

---

(۱) صحيح البخاري: ٦٦٠، ١٤٢٣، ٦٨٠٦.

کون ہیں وہ سات آدمی؟

جہاں را بہ انصاف آباد دار:

(۱) الإمام العادل: انصاف کرنے والا حکمران، بادشاہ (ન્યાયાધીશ)۔

علماء نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکومت کے بھی مختلف درجات ہیں۔ ایک تو سب کا بادشاہ ہوتا ہے، اس کے ماتحت مختلف علاقوں کے گورنر ہوتے ہیں۔ پھر ان گورنروں کے بھی ماتحت ہوتے ہیں، ہر ایک کو اللہ نے کسی نہ کسی درجے میں کسی نہ کسی پر حکومت اور اختیار عطا فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ گھر کا ایک بڑا ذمہ دار اپنے بیوی بچوں کا حاکم ہے، اگر اس نے ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا، ان کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کیا، تو وہ بھی الإمام العادل کے اندر شمار کیا گیا ہے۔

بعض علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی کے ماتحت کوئی نہیں ہے، وہ تن تنہا ہے، لیکن اس کو اللہ تعالیٰ نے جو جسم دیا ہے، اس کے اعضاء: آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں دل، دماغ وغیرہ پر اس کا کنٹرول ہے، ان کو اگر صحیح طریقہ سے چلایا ہے، ان کا حق ادا کیا ہے تو الإمام العادل میں شامل ہو جاتا ہے۔ ہم سب کے لیے مسئلہ آسان ہو گیا۔ ہم بھی اگر عرش کے سایہ میں آنا چاہتے ہیں تو اس پہلی قسم ہی میں شامل ہو سکتے ہیں۔

بچ جائے جوانی میں جو دنیا کی ہوا سے:

(۲) شاب نشأ في عبادة ربه (وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت اور اطاعت میں اپنی عمر بتائی)۔

ماں باپ کو چاہیے کہ بچپن سے اپنی اولاد کو نیکی کی ایسی تربیت دیں، کہ وہ جب

جوان ہوتو اس کی جوانی شاب نشأفي عبادة الله کا نمونہ ہو۔ ماں باپ یوں سوچیں کہ ہمیں تو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی، ہم نے غفلت سے کام لیا، جوانی میں گناہوں کا ارتکاب کیا، غلط کام بھی کیے؛ لیکن ہم اپنی اولاد کی بہترین تربیت کر کے، ان کو ایسا نوجوان بنا سکتے ہیں جس کی اٹھان اور پروان اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری میں ہو۔ کون نہیں چاہے گا کہ میری اولاد اللہ کے سایے میں جگہ نہ پاوے؟ ہر ایک چاہتا ہے۔ تو اس کے لیے محنت کرو، آسانی سے یہ کام کر سکتے ہیں، اپنی اولاد کو اس زمرے میں شامل کر سکتے ہیں۔

ہر وقت مسجد میں......:

(۳) ورجل قلبه معلق في المساجد (وہ آدمی جس کا دل مسجدوں میں اٹکا ہوا ہے، لٹکا ہوا ہے)

فجر کی نماز پڑھ کر گیا اور دل میں ہے کہ کب ظہر کا وقت ہو، اذان ہو، اور میں مسجد جاؤں اور ظہر کی نماز با جماعت ادا کروں۔ ظہر پڑھ کر دکان گیا؛ لیکن دل مسجد میں لگا ہوا ہے، کب عصر کی اذان کا وقت ہو اور میں مسجد جاؤں، عصر کی نماز با جماعت ادا کروں۔ گویا پانچوں نمازوں کا ایسا اہتمام کہ ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کی طرف اس کا دل لگا ہوا ہے، اٹکا ہوا ہے۔ تو یہ آدمی بھی قیامت کے روز اللہ کے سایے میں ہوگا۔ یہ کام بھی ہم کر سکتے ہیں۔ ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔

ہمارا معاملہ الٹا ہو گیا، مسجد میں آتے ہیں تب بھی ہمارا دل دکان اور گھر میں اٹکا ہوا ہوتا ہے۔ نہیں، نہیں! اب مزاج کو بدلو، اس کو صحیح رخ پر لاؤ اور گھر پر ہوں، دکان پر، ہمارا دل مسجد میں اٹکا رہے، ایسا بناؤ۔ محنت کریں گے تو یہ چیز بھی مل جائے گی۔

تحابا في الله...:

(۴) رجلان تحابا في الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه (دو اللہ کے ایسے بندے جنھوں نے اللہ کے واسطے آپس میں محبت کی، اپنی کسی غرض یا مقصد حاصل کرنے کے لیے نہیں۔ اِس وقت آپ تمام حضرات اس مجلس میں تشریف فرما ہیں، یہاں کیوں آئے ہیں؟ مجھ سے آپ کو کوئی مفاد ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے؟ میں پیسے بانٹ رہا ہوں؟ یا یہاں آنے کی وجہ سے آپ کو کوئی عہدہ ملنے والا ہے؟ نہیں! جو تعلق آپ نے میرے ساتھ قائم کیا ہے وہ محض اللہ کی نسبت پر ہے، اور میں بھی جو آپ کے ساتھ اِس وقت بات کر رہا ہوں یہ تحابا في الله ہے۔ ہر وہ کام جس میں اللہ کے دو بندے اللہ کی نسبت پر آپس میں ملیں، وہ تحابا في الله ہے۔ دعوت وتبلیغ کے ساتھی آپس میں اللہ کے کام ہی کے لیے ملتے ہیں، اسی پر جدا ہوتے ہیں، دین کا علم حاصل کرنے والا شاگرد اور دین کا علم دینے والا استاذ، ان کے آپس کے تعلق بھی اللہ کے واسطے ہیں، کوئی دنیوی غرض نہیں ہے۔

بلکہ ایسے لوگوں کے متعلق حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ وہ لوگ قیامت کے روز عرش کے نیچے نور کے منبروں پر ہوں گے، ان کو دیکھ کر انبیا وشہدا بھی ان پر رشک کریں گے، حالاں کہ انبیا وشہدا کا مقام تو بہت اونچا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی عزت افزائی اور اعزاز واکرام کو دیکھ کر انبیا، شہدا اور صدیقین بھی رشک کریں گے۔[۱]

خوشا ذوقِ مستی زدل دادگاں:

(۵) ورجل طلبته امرأة ذات منصب وجمال فقال: إني أخاف الله (اور وہ

---

(۱) مسند أحمد: ۲۲۷۸۲ (ط: مؤسسة الرسالة).

آدمی جس کو کسی اونچے مقام والی اور حسین وجمیل عورت، زنا کی دعوت دے، شہوت پوری کرنے کی دعوت دے، اور وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ کا خوف ہے)۔

دیکھیے! جو آبرو باختہ اور بازاری عورتیں ہوتی ہیں، وہ تو ساری دنیا کو دعوت دیتی ہی ہیں؛ لیکن یہ بازاری عورت نہیں ہے، شریف اور اونچے گھرانے کی عورت ہے، اور وہ بھی حسین وجمیل۔ وہ اس کو اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے دعوت دے رہی ہے، اور اس کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ إني أخاف الله (مجھے اللہ کا ڈر ہے) جوانوں کے لیے کتنا آسان ہے! اپنی شہوت پر کنٹرول کریں، کل کو اللہ کے سایے کے حقدار بن جائیں گے۔ عفت و عصمت اور پاکدامنی کا مسئلہ اس زمانے میں بڑا مشکل ہوتا جارہا ہے، ایسے زمانے میں جو جتنا زیادہ اہتمام کرے گا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اپنے سایے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو:

(۶) ورجل تصدق، أخفى حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه (وہ آدمی جو چپکے سے اللہ کے راستے میں خیرات کرتا ہے، صدقہ دیتا ہے۔ اور اتنا چھپا کر کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا دے رہا ہے؟ بائیں ہاتھ کو بھی پتا نہیں چلتا)۔

خوشا لذتِ دردِ اصحابِ عشق:

(۷) ورجل ذكر الله خالياً ففاضت عيناه (اور وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا، اللہ کی محبت میں یا اللہ کے خوف سے اس کی آنکھیں بھر آئیں) آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ اگر آدمی کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے تو کبھی تنہائی میں بیٹھ کر یہ خیال کرتا ہے کہ ہائے! میں نے اللہ کا حق ادا نہیں کیا، یہ سوچ کر ایک کیفیت طاری ہوتی ہے، اور آنکھوں

سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے خوف سے بھی اور اللہ کی محبت سے بھی۔ تو ایسے آدمی کو بھی اللہ تعالیٰ میدان حشر میں اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

ہم کون سے گروپ میں......؟؟؟:

چناں چہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (الانبیاء: ۱۰۳) (بڑی گھبراہٹ جو میدان حشر کی ہے وہ ان کو غم میں نہیں ڈالے گی؛ بلکہ فرشتے ان کا استقبال اور ویل کم (Wel Come) کریں گے) اب فیصلہ کرلو! ہم کون سے گروپ میں شامل ہونا چاہتے ہیں؟ ہر ایک اپنے دل سے پوچھ لے۔ یہ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، یہاں خدانہ کرے اگر ہم نے نفس پرستی، شیطان کی پیروی کا کام کیا تو پھر وہاں مصیبت ہی مصیبت ہے۔ چند روز اپنے آپ پر کنٹرول کر لینے، اللہ کی فرماں برداری والی زندگی گزار لینے سے وہاں ہمیشہ ہمیش کے لیے آرام ملے گا۔ لہٰذا اب ہمیں فیصلہ لینا ہے کہ ہم کون سی ٹولی میں جانا چاہتے ہیں؟ کیا وہ لوگ جو سر کے بل گھسٹ کر لے جائے جائیں گے؟ یا جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایے میں جگہ دیں گے، ان میں شامل ہونا ہے؟ یا جن کے میدان حشر میں جانے کے لیے اللہ تعالیٰ سواریاں مہیا فرمائیں گے، ان میں شامل ہونا ہے؟ اگر اِن لوگوں میں شامل ہونا ہے تو اس کے لیے جو کام کرنے ہیں، ان میں اپنے آپ کو لگانے کی ضرورت ہے۔

ذرہ کے معنیٰ:

اب آخری دو آیتوں کو حضور اکرم ﷺ نے الاٰیة الفاذة الجامعة سے تعبیر فرمایا ہے۔[1] باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میدان حشر میں پہنچیں گے تو کسی آدمی نے ذرہ برابر نیکی کی

(1) صحیح البخاري: ۲۳۷۱، ۲۸۶۰، ۳۶۴۶، ۴۹۶۲، ۴۹۶۳، ۷۳۵۶۔

ہوگی، جس کی کوئی حیثیت نہیں، چھوٹی سی نیکی کی ہوگی، وہ بھی دیکھ لے گا۔

ذرة عربی زبان میں دو چیزوں کے لیے بولا جاتا ہے:

(۱) بسا اوقات کھڑکی کے چھوٹے سے سوراخ سے سورج کی دھوپ گھر میں آتی ہے، اس دوران روشنی میں ہمیں کچھ اڑتا ہوا نظر آتا ہے، اس کو ذرہ کہتے ہیں۔

(۲) پیلے رنگ کی چھوٹی چیونٹی کو بھی ذرہ کہتے ہیں۔

ایک آدمی نے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو ترازو میں تولا، پھر اس کو رکھ دیا۔ تو اس پر بے شمار چیونٹیاں لپٹ گئیں، پھر اس کے ساتھ تولا، تو اس آدمی کو پہلی مرتبہ اور اس دوسری مرتبہ کے تولنے میں ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوا۔ اگر چہ آج تو ایسے آلات نکلے ہیں کہ کچھ فرق کیا جا سکتا ہے؛ لیکن کہنے کا حاصل یہ ہے کہ بالکل معمولی، جس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہٰذا چھوٹی سی نیکی کی ہوگی، وہ بھی دیکھ لے گا۔

لیروْا اعْمالھم کے معنیٰ:

دیکھ لینے کا مطلب وہی ہے جو بتلایا گیا تھا، یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو اعمال کی لسٹ دی جائے گی، بالغ ہونے کے بعد سے موت تک جتنے بھی اعمال کیے تھے وہ اس لسٹ میں موجود ہوں گے۔ چھوٹی سی نیکی بھی چھوٹی ہوئی نہ ہوگی۔ ہم تو کہیں کچھ چیزیں جمع کرتے ہیں، تو چھوٹی چیزیں چھوڑ دیتے ہیں کہ اس کو ابھی رہنے دو؛ لیکن قیامت کے روز جو فہرست اور اعمال نامہ ہمیں دیا جائے گا، اس میں ذرہ کے برابر نیکی بھی لکھی ہوئی ہوگی، اور چھوٹی سے چھوٹی برائی اور گناہ بھی نظر آئے گا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کا انجام دیکھ لے گا۔ یعنی چھوٹی نیکی کی ہوگی اس کو بھی اللہ تعالیٰ ضائع اور برباد

نہیں ہونے دیں گے، اللہ اس کا بھی بدلہ اچھی شکل میں عطا فرمائیں گے۔ اور چھوٹی سے چھوٹی برائی یا گناہ بھی چھپنے والا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اس پر بھی سزا دیں گے۔

ایک منفرد اور جامع آیت:

بخاری شریف (کتاب الزکوٰۃ) میں روایت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: الاية الفاذة الجامعة. (ایک ایسی آیت جو منفرد اور جامع ہے)[1] جامع اس لیے کہا کہ اس نے انسانی زندگی کا کوئی عمل نہیں چھوڑا، اچھا ہو یا برا ہو، اللہ اس کو بدلہ دے گا۔ اور منفرد اس لیے کہا کہ جو آدمی بھی اس آیت کو اپنی زندگی میں ہمیشہ پیش نظر رکھے گا، وہ اپنی زندگی کو صرف ایک جملے کی وجہ سے سنوار سکتا ہے۔ ہمیشہ آپ یہ سوچتے رہیے کہ میں ذرا سا بھی نیکی کا کام کروں گا تو اس کا اچھا بدلہ اللہ کے یہاں ملنے والا ہے، ذرا سا بھی گناہ کا کام کروں گا تو اس کی سزا اللہ کے یہاں ملنے والی ہے۔ تو اس مضمون کو ذہن نشین کر لینے سے ہماری زندگیوں میں انقلاب آ جائے گا۔ یہ باتیں ہر وقت مستحضر رہنی چاہیے۔

كفى بنفسك اليوم....:

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ (بنی اسرائیل: ۱۳،۱۴) قیامت کے دن ہم ایک ایسا دفتر، رجسٹر، کتاب اس کے سامنے رکھ دیں گے جو بالکل کھلم کھلا ہوگی، اس کتاب کو پیش کرتے ہوئے اس سے کہا جائے گا کہ اپنا اعمال نامہ دیکھ لو، پڑھ لو، اور خود ہی فیصلہ کر لو) اس کو ہر انسان پڑھ لے گا، چاہے دنیا میں اس نے پڑھنا لکھنا سیکھا ہو یا نہ سیکھا ہو۔ کسی کو

---

(1) صحيح البخاري : ۲۳۷۱، ۲۸۶۰، ۳۶۴۶، ۴۹۶۲ ، ۴۹۶۳، ۷۳۵۶.

بتلانے کی ضرورت نہیں، تمہارے گناہ بھی تمہارے سامنے ہیں اور تمہاری نیکیاں بھی تمہارے سامنے ہیں۔ اپنے متعلق تم آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہو کہ اس وقت تم انعام کے حق دار ہو یا سزا کے۔ اپنا حساب وکتاب لینے کے لیے تمہاری ذات کافی ہے۔

میزانِ عدل:

قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا(الانبیاء: ۴۷) (قیامت کے روز ہم انصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا) جو نیکی کی ہوگی وہ بھی سامنے آئے گی، اس کا بھی وہ انجام دیکھ لے گا، اس کا بھی بدلہ دیا جائے گا۔ جو گناہ کیا ہوگا وہ بھی سامنے آئے گا، اس کا بھی وہ انجام دیکھ لے گا، اس کی سزا اس کو دی جائے گی۔

معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو......!!!:

بہر حال! اس آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ بھائی! اگر اللہ نے تمہیں کسی نیکی کا موقع دیا ہے- چاہے چھوٹی اور معمولی سی نیکی کیوں نہ ہو- تو اس کو کر گزرو۔ یہ مت سوچو کہ یہ چھوٹی سی نیکی ہے اس کو کیا کریں؟ معمولی سا کام ہے۔ معمولی سمجھ کر چھوڑ و مت۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لا تحقرن من المعروف شيئا. (کسی بھی نیکی کے کام کو چھوٹا مت سمجھو)[1] چلتے چلتے کانٹا پڑا ہوا دیکھا، دل میں خیال آیا کہ میں اس کو ہٹا دوں؛ تاکہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔ تو یہ مت سوچنا کہ یہ تو معمولی سا کام ہے، اس کو کیا کرنا؟ نہیں! اس کو کر لو!۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اگر نیکی کے کام کا موقع دے، تو اس وقت آدمی کو

---

(۱) مسند أحمد: ۱۵۹۹۵، ۲۰۶۳۳، ۲۰۶۳۵، ۲۱۵۱۹ و مسند البزار: ۳۹۶۲ و صحیح مسلم: ۱۴۴-۲۶۲۶ وغيرها.

ذرہ برابر بھی پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔ پتا نہیں اس نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بیڑا پار کر دے۔

کتے کو پانی پلانے پر مغفرت:

آپ نے گذشتہ اسباق میں سنا تھا کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک آدمی جنگل سے جا رہا تھا، اس کو پیاس لگی، وہاں ایک کچا کنواں تھا، جس کی منڈیر بنی ہوئی نہیں تھی۔ اس کی دیواروں پر خانے بنے ہوئے تھے، اس نے اندر اتر کر اپنی پیاس بجھائی۔ پھر باہر آ کر دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ ابھی پیاس کی جس شدت سے مجھے واسطہ پڑا تھا، اور میں تکلیف محسوس کر رہا تھا، یہ کتا بھی اُسی پیاس کی شدت سے دوچار ہے۔ چناں چہ اس نے دل میں سوچا کہ میں اس کو پانی پلا دوں۔ پیر میں چمڑے کا موزہ تھا، اس کو نکالا، کنویں میں اتر کر اس میں پانی بھرا، دانتوں میں دبا کر باہر آیا، اس کتے کو پانی پلایا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔[۱]

چوروئے پرستید نت درخداست:

دیکھو! اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل کا سائز نہیں دیکھا جاتا کہ عمل بڑا ہے یا چھوٹا ہے؟ بلکہ اخلاص دیکھا جاتا ہے۔ جو خالص اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ہو، للّٰہیت سے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر فیصلے ہوتے ہیں۔ دیکھیے! ویسے اللہ تعالیٰ کے ہاں قانون تو وہی ہے کہ جس کی نیکیاں گناہوں پر غالب ہوں گی اس کے لیے جنت کا، کامیابی کا فیصلہ۔ اور جس کے گناہ غالب ہوں گے اس کے لیے جہنم کا فیصلہ؛ لیکن اس سے ہٹ کر يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۠ (الفتح:۱۴) (جس کو چاہیں معاف کر دیں اور جس کو چاہیں عذاب دیں)۔

---

(۱) صحيح البخاري: ۱۷۳، ۶۵۲، ۲۳۶۳، ۲۴۶۶، ۲۴۷۲، ۶۰۰۹.

یہ سب شیطانی دھوکے ہیں:

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں لا تحقرن من المعروف شیئا[۱] کے ذریعے تاکید اس لیے فرمائی کہ یہ دراصل شیطان کا ایک بہت بڑا ہتھیار ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ہوتا کیا ہے؟ ایک آدمی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، کبھی کوئی نیکی کا موقع آتا ہے اور نیک کام کرنے کو جی چاہتا ہے، تو شیطان اس کو پھنساتا ہے کہ تیری زندگی تو ساری گناہوں میں گذری، اس ایک نیکی سے تیرا کیا بھلا ہونے والا ہے؟ ایک چنا کیا بھاڑ کو پھوڑے گا؟

عمر تو ساری کٹی عشق بتاں میں مؤمن	آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

یا جیسے کہتے ہیں کہ "سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی"۔ یہ سب شیطانی دھوکے ہیں۔ شیطان ہم کو اس طرح نیک عمل کرنے سے روکتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ نہیں! اس طرح کا کوئی بھی نیک عمل- چاہے وہ معمولی نظر آتا ہو- لیکن اس کو کرلو۔ قیامت کے دن اس کا بدلہ تم کو ملے گا، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ہماری مغفرت کردے، نجات دے دے۔ ایک مؤمن اسی پر تو زندگی گزارتا ہے۔ اس لیے اس طرح کا مزاج بنانا چاہیے۔

نیکی نہ چھوڑو، گناہ نہ چھیڑو:

اور کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر مت کرو۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ کسی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر چھوڑو مت، اور کسی گناہ اور برائی کو چھوٹا سمجھ کر کرو مت۔ لوگ کیا پوچھتے ہیں: مولانا! یہ ناجائز ہے یا حرام ہے؟ مطلب ان کا یہ ہوتا ہے کہ حرام کہیں تو ہم بچ جائیں، ناجائز ہے تو کچھ کرلیں۔ شیطان کبھی کہتا ہے نا! چھوٹا سا گناہ ہے، کرلونا!!! کیا نقصان ہونے والا ہے؟

---

(۱) مسند أحمد: ۱۵۹۹۵، ۲۰٦۳۳، ۲۰٦۳۵، ۲۱۵۱۹ ومسند البزار: ۳۹٦۲ وصحیح مسلم: ۱۴۴-۲٦۲٦ وغیرها.

حکیم الامت کا حکیمانہ جواب:

حضرت تھانویؒ سے ایک آدمی نے کہا کہ بدنگاہی صغیرہ ہے یا کبیرہ ہے؟ حضرت تھانویؒ نے جواب میں لکھا کہ چنگاری آگ لگانے کے لیے کافی ہے، چاہے بڑی ہو یا چھوٹی ہو۔ ہمارے ایمان کو تباہ کرنے کے لیے گناہ کافی ہے، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔

ناجائز وحرام میں فرق:

فقہاء نے یہ ناجائز اور حرام کی تفصیلات تو عقیدے کے اعتبار سے لکھی ہیں۔
جس گناہ کا ثبوت دلیل قطعی سے ہو اس کو حرام کہتے ہیں۔
جس گناہ کا ثبوت دلیل قطعی سے نہ ہو اس کو ناجائز کہتے ہیں۔
ورنہ عمل کے اعتبار سے حرام سے بھی بچنا ضروری ہے، اور ناجائز سے بھی بچنا ضروری ہے۔ شیطان ہمیں دھوکہ دیتا ہے کہ چھوٹا سا گناہ ہے کرلو، اس دھوکے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال! برائی، برائی ہے، چاہے چھوٹی ہو۔ اور بھلائی، بھلائی ہے، چاہے چھوٹی ہو۔

سچے دل سے توبہ کرلی تو......:

یہ تو قدرت کا قانون اور ضابطہ بتلا دیا: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ بھی دیکھ لے گا، اور ذرہ برابر گناہ اور برائی کی ہوگی وہ بھی دیکھ لے گا) اعمال نامہ میں بھی دیکھ لے گا اور انجام میں بھی دیکھ لے گا لیکن یہاں اللہ کا ایک معاملہ رحمت کا بھی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آدمی نے اگر کوئی گناہ کیا اور اس گناہ سے چھ یا سات ساعتوں میں سچے دل سے توبہ کرلی، تو اللہ

تبارک وتعالیٰ اس کے اس گناہ کو اعمال نامے سے بھی نکال دیتے ہیں۔کل قیامت میں جولسٹ ملے گی اس میں وہ گناہ نہیں ہوگا۔[۱]

چار گواہ:

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی جب گناہ کرتا ہے،تو اس کے گناہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار گواہ ہوتے ہیں۔

(۱)زمین کا وہ حصہ جس پر گناہ کیا گیا۔يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا.(الزلزال:۴)

(۲)اس کے اعضاء۔اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (یس:۶۵) (قیامت کے روز ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے،ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے،ان کے پاؤں گواہی دیں گے ان کرتوتوں کی جو وہ کرتے تھے)۔

(۳)نامۂ اعمال۔وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ.(التکویر:۱۰)

(۴)وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال لکھنے پر مقرر کیے ہیں۔كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ.(الانفطار:۱۱)

کیا شانِ رحمت ہے......!!!:

ایک حدیث ہے جس کو حضرت تھانویؒ نے التشرف في أحاديث التصوف میں ذکر فرمایا ہے کہ: إذا تاب العبد أنسى الله الحفظة ذنوبه.(جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اس کے گناہ بھلا دیتے ہیں) فرشتے قیامت کے روز گواہی نہیں دے سکیں گے۔وأنسىٰ ذلك جوارحه.(اور اس کے اعضاء کو بھی اللہ تعالیٰ بھلا دیتے ہیں)۔

---

(۱)المعجم الکبیر للطبراني: ۷۷۶۵.

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بھلانے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے۔یعنی یہ کام اللہ تعالیٰ براہ راست کریں گے،فرشتوں سے بھی نہیں کہ فرشتے طعنہ دیں۔دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ کسی کو معاف بھی کر دیا جائے،تب بھی اس کی فائل تو محفوظ رکھی جاتی ہے، فائل ختم نہیں کی جاتی؛لیکن اللہ کے ہاں ایسا نہیں ہے۔اللہ کو کس کی پرواہ ہے؟ جب معاف کر دیں گے،تو ساری نشانیاں بھی مٹادی جائیں گی۔ومعالمه من الأرض۔(اورجس زمین پر گناہ کیا تھا اس نے دیکھا اور نوٹ کیا تھا،اس کو بھی اللہ تعالیٰ بھلا دیں گے) حتیٰ یلقی اللہ ولیس علیه شاهد من الله بذنب (یہاں تک کہ اللہ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کے گناہ پر کوئی گواہ نہیں ہوگا)[1]۔کیا شان ہے اللہ کی رحمت کی!!!

توبہ؛ دومنٹ کا کام:

اورتوبہ کوئی مشکل کام ہے؟ کیا اس کے لیے ہمیں کوئی قربانی دینی پڑتی ہے؟ ہمیں اس کا کچھ کفارہ دینا پڑتا ہے؟ کتنا آسان کام ہے کہ جو کچھ گناہ ہوئے اس پر دل سے ندامت ہو،ایک درد ہے کہ ہائے! میں نے کس ذات کی نافرمانی کی؟ اورآئندہ کے لیے نہ کرنے کا عزم ہو کہ آئندہ کبھی نہیں کرنا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ آئندہ ہوگا تو؟ بھائی! اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ آئندہ ہوگا،تو تمہاری یہ توبہ ختم ہوجائے گی۔دوبارہ توبہ کرلیں۔آئندہ ہوگا، اس بنیاد پر آپ اپنی توبہ میں شک وشبہ نہ کریں۔جس وقت توبہ کریں،تو پورے یقین کے ساتھ کریں کہ مجھے اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا ہے،چاہے میں مرجاؤں۔پھر ہماری کمزوری کی وجہ سے ہوجائے تو بات دوسری ہے؛لیکن اس کی وجہ سے اس توبہ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

---

(۱)تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۷/۱۴۔

اس توبہ سے جو گناہ معاف ہوا، وہ ہوا۔ ہم اس مجلس میں بیٹھے بیٹھے پوری زندگی کے گناہ کو بخشوا سکتے ہیں۔ دو منٹ کا کام ہے، اللہ کی طرف دھیان کرلو۔ ابھی تو گناہ کا ارتکاب نہیں کر رہے ہیں، شرابی ابھی تو شراب نہیں پی رہا ہے! زانی ابھی تو زنا نہیں کر رہا ہے! سود خور ابھی تو سود نہیں کھا رہا ہے! ابھی ہم گناہ سے بچے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ دل میں ندامت بھی ہے، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم بھی ہے۔ بس! اللہ سے گناہوں کی توبہ ہو جائے گی۔ اور جو حقوق ہیں ان کو بعد میں ادا کر دو۔ کتنا آسان ہے!!! لیکن شیطان آدمی کو توبہ نہیں کرنے دیتا۔ بھائی! حشر کا معاملہ بڑا سنگین ہے، وہاں کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔

اللہ مجھے اور آپ کو بچائے، اور اس دن کی ہولناکی سے میری اور آپ کی حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العٰلمین